(اسلامیات)
(islamiyat)

ادارۂ علومِ اسلامی

کی اوّلین پیش کش

نعرۂ ذکرِ حسینؑ

مصنّف :۔

تقدّس مآب سیّدنا ابو محمّد طاہر سیف الدین ڈاکٹر آف تھیالوجی

داعی مطلق داؤدی بوہرہ و

چانسلر علی گڈھ یونیورسٹی

مطبوعہ:-

قادری پریس بمبئی ۳

قیمت:-

تین روپے آٹھ آنے

تقسیم کنندگان:-

دانشکدہ

بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۳

Reference

انتخاب و ترتیب

محمود سروش ایم اے

ترجمہ :-

یونس شکیب الاعظمی

خوش نویس :-

سلامت رضوی

ناشر :-

سید سبط حسن رضوی

معذرت

یاد کیجئے کہ ادارۂ علوم اسلامی کی تاسیس ذی قعدہ الحرام کے آخری دنوں میں ایکایکی کردی گئی، اس وقت کوئی پروگرام پیش نظر نہیں تھا۔ غرہ ذی الحجہ سے قبل یہ طے کیا گیا کہ تقدس مآب ڈاکٹر ابو محمد طاہر سیف الدین کی ایک تصنیف شائع کی جائے گی۔ ایک ہفتہ اسکی اجازت کی تحصیل میں صرف ہوا۔ پھر جناب محمود سرورش صاحب اور ملا یونس شکیب الاعظمی صاحبان پر اس کے ترتیب و ترجمہ کے فرائض عائد کئے گئے۔ ان دونوں نے محنت شاقہ سے اپنے فریضے کو پورا کیا مگر حالت یہ رہی کہ خود ان کو اپنے مسودہ پر نظر ثانی کا موقع نہیں ملا۔

خیال کیجئے ایک ماہ کے اندر اندر کتاب کا تعین۔ ترجمہ۔ کتابت۔ چھپائی ٹائیٹل پیج کے ڈزائن کی تیاری۔ بلاک کا ساخت، اسکی طباعت۔ جزبندی، اور جلدسازی سب ہی کچھ کیا گیا۔ اگر اس امر میں توفیق الٰہی شامل نہ ہوتی تو ہماری اتنی کامیابی بھی ناممکن ہوجاتی۔

ہم ان کمزوریوں اور کمیوں کے لئے جو اس کتاب میں موجود ہیں۔ معافی و معذرت خواہ ہیں۔ انشاء اللہ آیندہ ایڈیشن میں یہ کمی پوری ہو جائے گی۔

وما توفیقی الا باللہ

(ادارہ)

تقدس مآب ڈاکٹر سیدنا ابو محمد طاہر سیف الدین
اجل اللہ عظمۃ (چانسلر علی گڈھ یونیورسٹی)
داعئ مطلق فرقۂ بواہیر

اُن آنسوؤں کے نام جنھیں غمِ حسینؑ

میں بہنا نصیب ہوا

عرضِ ناشر

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد وآلہ المصطفیٰ

اس کتاب کی اشاعت کے ساتھ اردو زبان کے ایسے اداروں میں جو اسلامی تواریخ و ثقافت کے نشر و اشاعت کا کام کر رہے ہیں ایک اور اضافہ ہو رہا ہے، فی الحال ہندوستان میں دار المصنفین۔ ندوۃ المصنفین۔ ادارۂ علمیہ دائرۃ المعارف اور اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ کسی کا مقصد صرف تواریخ و فلسفۂ اسلام کی اشاعت ہے، کوئی مسائل امروز کو سامنے رکھ کر اسلامی علوم کی تجدید میں مصروف ہے۔ کوئی نایاب مخطوطات کی اشاعت میں مشغول ہے، کوئی اسلامی علوم کی ترویج انگریزی داں طبقے میں کرنے میں منہمک ہے۔ مگر ان سبھوں نے اپنے ذمہ صرف ایک فرقے کے علماء کے تصانیف تراجم اور مقاصد کو موضوع اشاعت بنا رکھا ہے۔ اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن اگرچہ فرقہ وارانہ حد بندی کا شکار نہیں ہے تاہم اس کے مطبوعات میں اکثریت صرف اسمٰعیلی فرقے کی کتابوں کی ہے۔ اسی طرح امامیہ مشن۔ انجمن موئید العلوم

اور دفتر اصلاح کھجوا ضلع سارن صرف اثنا عشری کتب کی اشاعت کو فرض سمجھے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے جب اتنے بہت سے ادارے مصروف کار ہوں اور ایک ہی میدان کے مختلف گوشوں کو اپنی تلاش و تحقیق کی بساط بنائے ہوئے ہوں تو کسی نئے ادارے کے لئے کام کرنے کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے۔ تاہم مذکورہ اداروں کا یہی رویہ ہے۔ جو عرصے سے مجھے اس ضرورت کا احساس دلا رہا تھا کہ ایک ادارہ ایسا ہونا چاہیئے جو تمام فرق کی کتابوں کو جو مسلمانوں کے مختلف گروہوں کو آپس میں سمجھنے اور ایک دوسرے سے قریب لانے میں ممد و معاون ہوں شائع کرے تاکہ ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی یہ قوم سوچ سمجھ کر آپس کے اختلاف کو دور کر کے یک پیکر و یک جان نہیں تو کم سے کم اتنی قریب ہو جائے کہ ایک دوسرے کی ہمدرد و ہمنوا ہو سکے۔

اس ادارے کی تاسیس تقسیم ہند سے پہلے ہی ہو جاتی اگر اس وقت یہ احساس مجھے باز نہ رکھتا کہ میں اتنے بڑے کام کے لئے بہت چھوٹا آدمی ہوں مجھے اس وقت امید تھی کہ وہ مسلم لیگ جس نے مسلمانوں کی اکثریت کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر لیا ہے اور مسلمان اگر سب کے سب نہیں تو زیادہ سے زیادہ انکے فرقے اور اپنے معتقدات کا خیال چھوڑ کر کم سے کم ایک سیاسی غرض کے تحت ایک جگہ ہو گئے ہیں اور ایک قائد۔ ایک مقصد ایک جھنڈا تسلیم کر چکے ہیں وہی مسلم لیگ

بین الفریقین اختلافات کو جو عارضی طور پر نظر انداز کر دیے گئے ہیں مستقلاً دور کرنے کی کوشش کرے گی۔ اور سنی شیعہ۔ خوجے اور بوہرے علماء جو اس کے ہمنوا ہیں اُن سے کام لیکر اگر تمام مسلمانوں کو نہیں تو کم سے کم اپنے حلقے والوں کو مذہبًا یکجہت کر دے گی۔ مگر تمام امیدیں موہوم ثابت ہوئیں۔

اب پھر وقت آیا ہے کہ مسلمان ایک جگہ جمع ہوں۔ جہانتک سیاست کا تعلق ہے ہندوستان کی حکومت میں اُن کی حیثیت آئین ہند کے تحت ایک باعزت شہری کی ہے۔ اور اُن کے حقوق حکومت پر اتنے ہی ہیں جتنے کسی دوسرے کے۔ مگر جب تک بحیثیت ایک ملّت کے وہ خود اپنے حقوق کی حفاظت نہیں کریں گے اُن کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور نہ وہ اپنے ملک وطن کے کام آسکتے ہیں۔ اسوقت مسلمان تعلیمی اعتبار سے بہت پیچھے ہیں، اور معاشی اعتبار سے مفلوک الحال اگر ان کی تنظیم نہ کی گئی تو نہ وہ تعلیم کے میدان ہی میں آگے بڑھ سکیں گے، اور نہ اُن کی فلاکت ہی دور ہو سکیگی۔ اب اگر یہ تنظیم مسلمانوں نے صرف فرقہ بندی کے لحاظ سے کی تو ان کی اقلیت مزید تقسیم سے اور زیادہ نقصان دہ ثابت ہو گی اس لئے اجتماعی تنظیم کی ضرورت ہے، اور مسلمانوں کے ہر فرقہ کو ایک ساتھ منظم ہونے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو سمجھیں۔ آپس میں ایک دوسرے سے متعلق جو غلط فہمیاں پیدا ہیں اُن کو دور کریں۔ رواداری اختیار کریں۔ رواداری اسی صورت

میں پیدا ہو سکتی ہے جب ایک دوسرے کے معتقدات کا صحیح علم ہو تا کہ اپنے عقاید کا زعم دوسرے کی خاطر شکنی نہ کر سکے۔ اس کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر فرقے کی مذہبی کتابوں کی اشاعت کی جائے۔ ان کو پڑھا جائے اور سمجھا جائے، اور اس طرح اگر سب ایک عقیدہ اختیار نہ بھی کریں تو آپس میں اتنی رواداری برتیں کہ ایک دوسرے کی مذہبی تقاریب میں بھی شرکت کریں اور اسطرح اس بات کا ثبوت دیں کہ وہ آپس میں اتحاد چاہتے ہیں۔ جب آپس کے بین الفریقین تعلقات اس منزل پر آجائیں گے تو پھر کوئی تنظیم دشوار نہ ہوگی۔ وہ وقت جب یکجہتی کے لئے مناظرہ و کابرہ میں شکست دیکر اپنا ہمخیال بنانے کی کوشش کی جاتی تھی گذر چکا ہے اور اپنے تلخ تجربات بھی ہمیں دے گیا۔ لہذا اب مناظرہ کی ضرورت نہیں ہے مفاہمہ درکار ہے اور اس کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ہر مذہب و فرقے کی کتاب کو ہمدردانہ غور سے پڑھا جائے۔ اور مذہبی کتب شایع کرنے والے ادارے بھی فراخ دلی سے اپنے فرقے کے ساتھ ساتھ دوسرے فریق کی بھی کتابیں شایع کریں۔ میں نے اس طریقے کو پرکھا ہے اس طرح کہ وہ دیہات جہاں مسلمانوں کی تعداد کم ہے، ایک آدھ گھر شیعہ کا اور دو چار گھر سنیوں کے ہیں وہاں آپس میں میل بہت زیادہ ہے سنی شیعوں کے گھر میں مجالس وغیرہ میں شرکت کرتے ہیں، شیعہ بھی سنیوں کے ساتھ میلاد شریف میں دیکھے جاتے ہیں، ان میں مدح صحابہ اور تبرا کا جھگڑا نہیں ہوتا

حالانکہ اُن میں کوئی سنی ایسا نہیں جو مدح صحابہ کا دلدادہ نہ ہو، اور کوئی شیعہ ایسا نہیں ہے جو تبرائی نہ ہو۔ مگر چونکہ وہ ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں اس لئے عقائد کے اختلاف اور عملی مذہبیات کے تضاد کے باوجود منظم ہیں۔

یہی سبب ہے کہ ادارۂ علوم اسلامی کی پہلی پیش کش ایک ایسی کتاب ہے جو مسلمانوں کے ایک بہت ہی راسخ العقیدہ مگر مرنجاں مرنج فرقے کے سب سے بڑے پیشوا داعی مطلق تقدس مآب ڈاکٹر سیدنا ابو محمد طاہر سیف الدین کی عربی تصانیف سے منتخب کردہ اقتباسات کی ترتیب سے بنائی گئی ہے۔ حضرتِ موصوف صورتاً اور سیرتاً دونوں طرح ایک مومن کامل ہیں۔ آپ کے مواعظ میں ہدایت، الفاظ میں معنویت اور بیان میں پختگی ہے۔ اردو۔ فارسی، گجراتی اور انگریزی میں مہارت تامّہ رکھنے کے باوجود آپ نے اپنے منصبِ دعوت کی ادائگی میں کبھی ان زبانوں کو استعمال نہیں کیا۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام کی زبان عربی ہے، آپ کسی اور زبان کو اس کا شریک وسہیم بنانا نہیں چاہتے۔ یہ اُن کا انتہائی کرم ہے کہ انھوں نے اپنے گرانقدر تصانیف سے انتخاب کرنے اور اس کا ترجمہ کرنے کی اجازت دیدی ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم کتاب کو مع اصل عربی کے شائع نہیں کر سکے، اس کا سبب ایک تو مصارف کی کثرت دوسرے وقت ہے۔ انشاء اللہ آیندہ اشاعت میں یہ التزام بھی پورا کر دیا جائے گا۔

اس کتاب کا انتخاب کیونکر عمل میں آیا یہ بھی ایک داستان لذیذ سے کم نہیں۔ گذشتہ دنوں میں ہمارے مکرم محمود سرخوش صاحب نے ایک کباڑیے کے ہاں حضرت علام کی تالیف اعز المجالس کا ایک نسخہ دیکھا۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ محرم کے مواعظ میں علمائے فرقۂ بواہر کے کام آسکے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے وہ تمام غلط فہمیاں دور ہوجاتی ہیں جو بوہروں کے عقائد سے متعلق پھیلی ہوئی ہیں۔ چنانچہ موصوف نے مجھ کو اس امر پر آمادہ کیا کہ اس کتاب کی اشاعت سے ادارے کے پروگرام کی بسم اللہ کی جائے میں نے جب اشاعت کی اجازت چاہی تو اس سے انکار کردیا گیا، اس لئے کہ اس میں اندیشہ تھا کہ لوگ اس عربی کتاب کی طرف سے توجہ ہٹالیں گے۔ تاہم مزید فرمایش پر اس امر کی اجازت دی گئی کہ ہم آخری مجلس جو مقتل پر مبنی ہے، اور اس کے ساتھ دوسری چیزیں جو پیوند ہوکر ایک کتاب بن سکیں دوسری کتب سے بھی لے سکتے ہیں۔ اس لئے ملا یونس شکیب الاعظمی اور جناب محمود سرخوش صاحب کو تکلیف دی گئی کہ وہ انتخاب عمل میں لائیں۔ میں ہر دو حضرات کا ممنون ہوں کہ انھوں نے تنگ وقت میں محنت شاقہ سے انتخاب و ترجمہ کے فرائض انجام دے کر مجھے اس کتاب کی اشاعت سے سرخرو ہونے کا موقع دیا۔

اس کتاب سے ہمیں واقعہ کربلا سے متعلق فرقہ بواہر کا نقطۂ نظر بھی معلوم

ہوجائے گا۔ ابتک ہمارے سامنے اثنا عشری سنی اور خارجی روایات کی کتابیں تھیں۔ اب یہ کتاب بھی آگئی جس میں شہادتِ حسین علیہ السلام کی اسمٰعیلی روایات بھی ہیں۔ اور ان کی باطنی تاویل بھی۔ انشاء اللہ اسی سلسلہ کی دوسری کتاب اسمٰعیلی خوجہ جماعت کے کسی سربرآوردہ کی تالیف ہوگی جس کی تلاش جناب محمود سروش صاحب نے ابھی سے شروع کردی ہے۔

آخر میں بحیثیت ناشر مجھے جو سب سے زیادہ خوشگوار فرض انجام دینا ہے، وہ ادائے تشکر ہے۔ سب سے پہلے میں حضرت تقدس مآب کی خدمت میں ہدیۂ امتنان پیش کرنا چاہتا ہوں جن کے فیض جاری سے ایک زمانہ مستفیض ہو رہا ہے موصوف ہراس ادارے اور فرد کی امداد دامے، درمے، سخنے، قدمے فرما رہے ہیں، جو اسلام کی خدمت کر رہا ہے۔ اور قرآن مجید کے اسی اصول پر کہ داہنے ہاتھ سے جو دیا جاتا ہے، بائیں ہاتھ کو اسکی خبر نہیں ہوتی۔ ہم پر جو عنایت ہوئی ہے وہ اس کتاب کی اجازت کی صورت میں ہوئی ہے۔ ورنہ آپ اس بات کے قائل نہیں کہ آپ کی کتابیں اردو میں چھپیں۔ بہر صورت یہ اجازت ہمیں نہ مل سکتی اگر اراکین خمسہ کی عنایات نہ ہوتیں۔ جناب یونس شکیب الاعظمی۔ جناب شیخ احمد علی رسانی صاحب، جناب شیخ رجب علی، حضرت شیخ ابراہیم صاحب یمانی اور جناب بھائی صاحب نجم الدین صاحب یمانی اطال اللہ عمرہم کا شکریہ علی ترتیب مدارج

ادا کرنا ایک امر واجب ہے۔ جس سے میں جانتا ہوں کہ زبانی طور پر عہدہ برآ نہیں ہوا جا سکتا۔ اسی طرح ہم ملا اسحٰق بھائی کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں، جن کے قیمتی مشورے ہمارے شامل حال رہے ہیں۔

ساتھ ہی ساتھ مجھے اپنے ہمدرد ساتھیوں کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے۔ اس کتاب کی کتابت جناب سلامت رضوی کی مرہون ہے۔ جناب سلامت صاحب اس وقت بمبئی کے چند بہترین خوشنویسوں میں ہیں اور اس کتاب پر انھوں نے خاص طور پر محنت صرف کی ہے۔ عبدالرحمٰن صاحب آرٹسٹ نے سرورق تیار کیا ہے اور شب یازدہم کی کیفیت جسقدر واضح طور پر پیش کی ہے وہ ان کے دلی احساسات کا ترجمان ہے۔

کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے، میرے خیال آپ جان ہی چکے ہیں اب دیکھنا ہے کہ اُن کو کہاں تک سراہا جاتا ہے۔ فقط

سیّد سبط حسن رضوی

دیباچہ
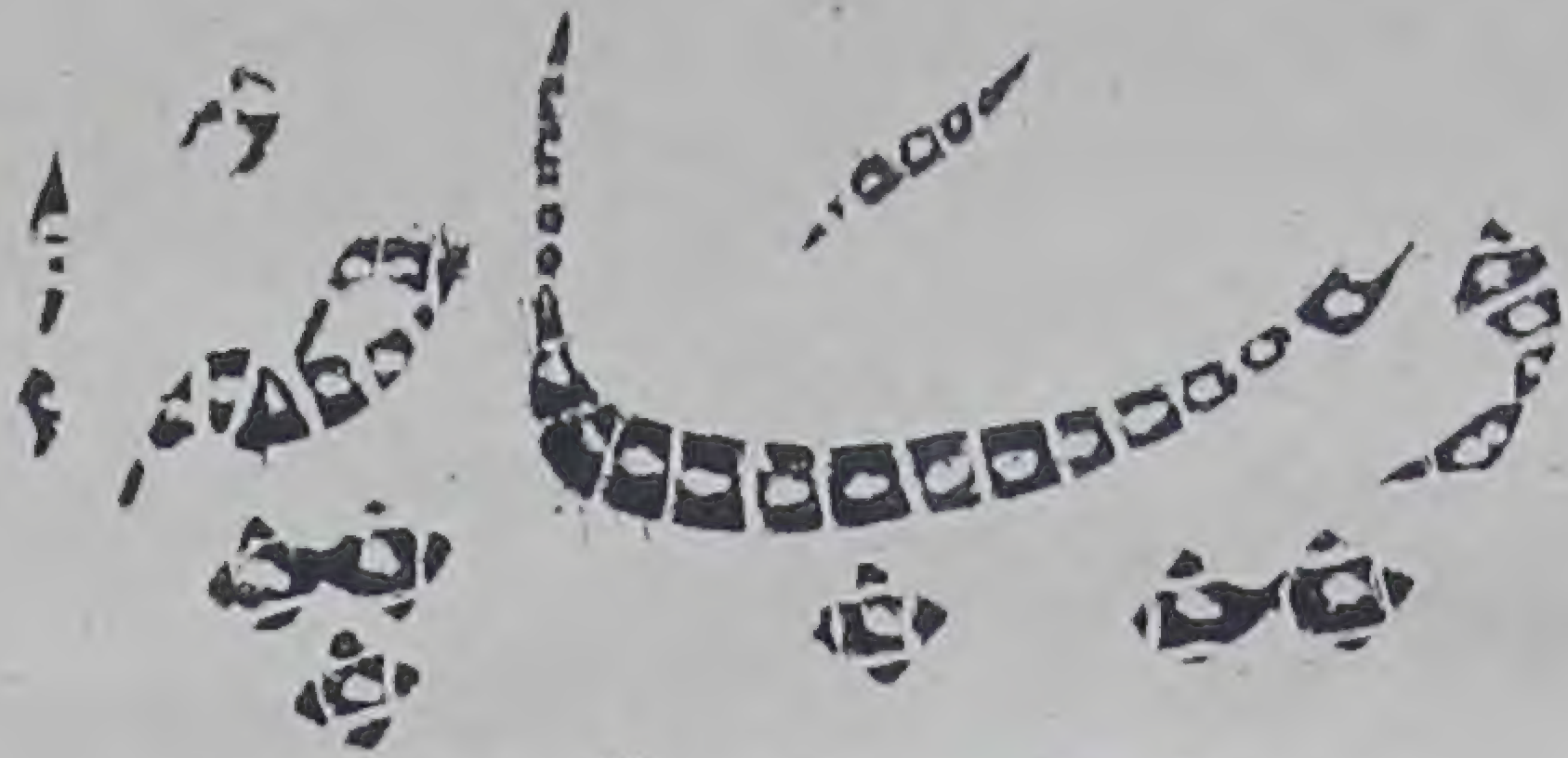
تلک آثارنا تدل علینا
فانظروا بعدنا الی الآثار

میری روزمرہ زندگی میں اکثر ایسے لمحات آتے ہیں جب میں بیٹھے بیٹھے یکایک گم سُم ہو جاتا ہوں۔ اس وقت میرا جسمانی وجود مجھے خود محسوس نہیں ہوتا۔ میری نگاہ ایک خلا میں کھو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ وہ حجابات دُور ہونے لگتے ہیں جو عالم ہوش و حواس میں نظروں کے لئے حد انتہا ہیں۔ خلا ایکا ایکی پُر ہونے لگتی ہے، اور رُوح کائنات ایک ایسے وجود کی صورت میں میرے سامنے آجاتی ہے جسکو میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ میرے لاشعور کی نیرنگی ہے یا روحانیت کی تعمیر مگر یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ میں اس وقت سرتاپا بیداری ہوتا ہوں۔ جو مناظر میرے سامنے سے گذر جاتے ہیں وہ صفحہ ذہن پر اپنا عکس چھوڑ جاتے ہیں۔ اور میں اُن کا وزن اس کیفیت کے دور ہونے پر بھی

محسوس کرتا رہتا ہوں، کبھی میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ حیات اپنی تمام دردمندی کے ساتھ مجھ سے التجا کرتی ہے کہ میں اس کے آلام کو دور کرنے کی کوشش کروں۔ نفرت و اضطراب کو مٹا دوں۔ کبھی دیکھتا ہوں کہ میں فرش آسایش پر دم توڑ رہا ہوں۔ اور موت ایک بھیانک دیونی کی صورت میں مجھے فنا کر دینے پر آمادہ ہے۔ کبھی یہ دیکھتا ہوں کہ اجل ایک ساقی مہوش کے انداز میں آب حیات کا پیالہ لیکر آئی ہے اور مجھ سے کہتی ہے کہ یہ پیالہ تمہارے لئے ہے اسے تم پی سکتے ہو۔ مگر ایک شرط کے ساتھ اور اس لفظ شرط کے ادا ہوتے ہی میری نگاہوں کے سامنے ایک لق و دق میدان آجاتا ہے، جہاں حق و باطل کی جنگ ہو رہی ہے، جہاں چند بھوکے پیاسوں کا ایک گروہ تحفظ حق کے لئے ایک ہاتھ میں تلوار سونتے ہوئے زبان خشک سے تہلیل میں مصروف ہوتا ہے، اور دوسری طرف ایک انبوہ کثیر ہوتا ہے جو سلحشور، شکم سیر اور فرعونیت کا نمایندہ ہوتا ہے، اُسے ان بھوکے پیاسوں پر ترس نہیں آتا۔ ان کی قلت کا احساس نہیں ہوتا۔ پتھر، تیر نیزے، تلوار سب ہی ان بیکسوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ میں خوف زدہ ہو جاتا ہوں اسوقت ساقی اجل کا ارشاد ہوتا ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ فراعین بے ساماں بہادر، نڈر، اور بے باک ہیں، نہیں یہ تو اپنی شکست کا سراپا ہیں۔ دیکھتے نہیں ہو اکثریت کی قوت بھی انھیں مردانگی نہیں عطا کرتی۔ بزدلوں کی طرح چھپ چھپ

کردار کر رہے ہیں۔ میں اُن کے لئے ایک ہیبت ناک دیوی ہوں۔ کیا تم بھی انھیں لوگوں کی طرح ہو؟ اور ان تشنہ لب غریب الوطن مظلوموں کی طرف رجوع کر دیتی ہے ایک باون سال کا ضیف العمر سردار اپنے ایک تیرہ سالہ ساتھی سے پوچھتا نظر آتا ہے" قاسم! جانِ عم یہ تو بتاؤ تم اجل کو کیا سمجھتے ہو" اور وہ تیرہ سال کا دبلا پتلا نحیف الجسم بچہ کہتا ہے" موت کو تو میں شہد سے زیادہ شیریں سمجھتا ہوں۔ عموئے محترم اگر آپ ارشاد فرمائیں تو میں ابھی اسکی چاشنی چکھ سکتا ہوں۔ اس بچے کے یہ الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگتے ہیں ایک نئی ہمت پیدا ہوتی اور میں ساقی اجل سے کہتا ہوں اچھا اے میرے ساقی تو اس کاسہ کو محفوظ رکھ جس میں حیات ابدی کی شراب بھری ہے۔ ایک وقت آئے گا جب میں تجھ سے اسی میدان میں ملوں گا کیونکہ میں بستر تعیش پر پڑا ہوا نحیف و نزار ہو کر تجھ سے نہیں ملنا چاہتا۔ میں تیرے ہاتھوں سے وہی جام نوش کرنا چاہتا ہوں جو شہادت کا مرتبہ اور حیاتِ ابدی کی رُوح ہے۔

بیداری کے یہ خواب میں اس وقت سے دیکھ رہا ہوں جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ اور حسین حسین کے نعروں کے ساتھ اپنا سینہ پیٹنا سیکھا ہے۔ مگر آج تک مجھے ان کی تعبیر نہیں مل سکی سوچتا ہوں اپنی تمام آلودگیوں کی ساتھ میں کسطرح میدان شہادت کو سر کر سکتا ہوں، جہاں سب سے پہلی شرط صفائے

ظاہر و باطن ہے۔ اگر یہ شرط نہ ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ہزاروں کوفی جو مسلم ابن عقیل کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے حسین ابن علی علیہ السلام کے بیعت ہو جانے کے بعد عبیداللہ ابن زیاد کے اشاروں پر ناچنے لگیں اور حسین کو بلا دادے کر اُن کی مدد سے انکار کر دیں۔ یا پھر اولادِ علی میں سے ہی بعض اپنے سردار بھائی کا ساتھ چھوڑ دیں اور یزید سے مفاہمت کر لیں۔ یقیناً فوزِ شہادت کے لئے خلوص قلب و صفائے باطن کی ضرورت ہے۔ اور جب تک یہ حاصل نہیں ہیں اسوقت تک کسی کو سبیل الٰہی میں شہادت کا درجہ نصیب نہیں ہو سکتا۔ پھر میں سوچنے لگتا ہوں کہ یہ کس کام کی بشارت دی جا رہی ہے، کیوں مجھے جیتے جاگتے موت کا دیدار کرایا جاتا ہے۔ کیوں اجل کو ایک ساقی دلنواز کی صورت میں پیش کر کے مجھے جیالا بنایا جا رہا ہے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مذکورہ بالا آپ کو کسی غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی غرض سے نہیں، اور نہ اپنی تعریف یا مرتبت نمائی میں مقصود ہے۔ یہ کیفیت ہر اس شخص کے ساتھ پیش آرہی ہے جو آلِ محمدؐ کی ذواتِ مقدسہ کے ساتھ خلوص برتنے کا عادی اور زیارت امام حسینؑ میں " یَا لَیْتَنِی کُنْتُ مَعَکُمْ " کے معنی سمجھ کر اس کو ادا کرنے والا ہے۔ میرے یہاں جو ایک شدت سی ہے؛ وہ ایک تو میری شاعرانہ طبیعت اور دوسرے معرفتِ ذات کی کوشش کی

بناء پر ہے۔ نہج البلاغہ کا ترجمہ پہلی بار میں نے بارہ سال کی عمر میں پڑھا۔ اس کے دو سال قبل میں نے قرآن مجید ختم کر لیا تھا۔ اور اس کا ترجمہ بھی پڑھ رہا تھا۔ پھر جناب امیر کی سیرۃ کا مطالعہ کیا تو اس کا اثر یہ ہوا کہ جب کبھی تنہائی میسر آئی میں نے سوچنا شروع کیا کہ میں کیا ہوں کیوں پیدا ہوا ہوں میرے وجود کا مقصد کیا ہے یہ دنیا ایسی کیوں ہے، یہاں لوگوں کے لئے مصائب کی یورش کیوں ہے۔ سچے لوگوں کو اتنی تکلیف کیوں دی گئی۔ اکثر مجالس عزا کے بعد میں یہ سوچنے لگتا تھا کہ امام حسینؑ نے اتنا زبردست اقدام اتنی شدید اکثریت کے مقابلہ میں کیوں کیا؟۔ کربلا کے میدان میں ۷۲ یا ۱۱۲ سپاہی ۲ ہزار سے لے کر ۲ لاکھ کے لشکر کا مقابلہ عصر کے وقت تک کیسے کر سکے۔ انھیں تو ایک ہی گھنٹے میں ختم ہو جانا چاہئے تھا۔ یہ حوصلہ حسین کو کیسے ہوا کہ نوجوان بیٹے کے سینے سے نیزہ کھینچیں۔ اور علی اصغر کی گردن پر تیر لگتا ہوا دیکھیں پھر اس تیر کو جو آپ کے بازو تک در آیا ہو اپنے ہاتھ سے کھینچ کر نکالیں۔ تلوار سے قبر کھود کر بچے کو دفن کریں۔ غرضکہ سراپا گوش ہو کر مجلس سنتا تھا۔ اور ایک ایک بات پر غور کرتا تھا۔

اسی غور و خوض کی عادت نے سماجی تعلقات کے بعض اثرات کے ساتھ مل کر ایک نئی صورت اختیار کر لی۔ میں عیسائی مشن کے اسکول میں پڑھتا تھا۔ وہاں بعض ساتھیوں نے مجھے بتایا کہ یکم جنوری کی شب کو ٹھیک بارہ بجے

جب سال گذشتہ اپنی زندگی کی آخری سانس لیتا ہے اور سال آیندہ اپنی عمر کی پہلی ساعت پاتا ہے اس وقت وہ لوگ اپنی گذشتہ سال کی زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اور آیندہ سال کے لئے نئے عزایم کرتے ہیں۔ مجھے یہ دستور پسند آیا اور ایک سال عاشور کی رات کو جب تمام مجالس ختم ہوگئیں اور لوگ اعمال و اشغال میں مصروف ہونے کی تیاری کرنے لگے میں محفل پنجتن کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر اپنی پوری زندگی پر غور کرنے لگا۔ اس کے بعد سال بہ سال یہی عمل جاری رہا اور اب بھی ہے۔ عاشور کی رات جب صفِ عزا بچھی ہوتی ہے اور مجلس و ماتم کے بعد ایک سناٹا سا طاری ہو جاتا ہے۔ عزادارانِ حسین انصارِ مظلوم کربلا کے تتبع میں تسبیح و تہلیل کرنے لگتے ہیں اور اُن کی آواز فضا میں ایسے ہی گونجنے لگتی ہے جیسے شب عاشور کو میدان کربلا میں ناصرانِ حسین مظلوم کی آواز گونجی تھی۔ میں ایک گوشہ میں بیٹھ کر اپنی سال گذشتہ کی کارروائیوں پر نظر ڈالنے کے بعد اسوۂ شہداء کی روشنی میں آیندہ سال کے لئے نئے عزایم تلاش کرتا ہوں۔

اس طریقے کا ایک فائدہ جو مجھے حاصل ہوا وہ واقعاتِ کربلا سے متعلق تحقیقات ہیں۔ ابتداء میں جب شعور پختہ نہ تھا ذاکرین کے بیان پر اکتفا ہوتی ہے۔ پھر ایک دن ایک پوسٹر نظر سے گذرا جس میں تعزیہ داری

کو حرام عشرۂ محرم کو بدعت کہا گیا تھا۔ اس پوسٹر سے میرے دل کو ایک ٹھیس لگی۔ اب تک میں اپنے زعم میں یہی سمجھ رہا تھا کہ کوئی مسلمان امام حسین کی شہادت کی یادگار منانے کو برا نہیں سمجھتا ہوگا۔ مگر اب یہ معلوم ہوا کہ کچھ لوگ اس کے خلاف ہیں۔ مجھے ان لوگوں پر بڑا غصہ آیا جو نوعمری کا تقاضہ تھا۔ مگر اس کا ایک خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے اس سلسلہ میں پڑھنا شروع کردیا۔ اسی دوران میں ایک دن کالج میں ایک پروفیسر صاحب سے اپنے عقاید کے بارے میں ایک جھڑپ بھی ہوگئی اب میں نے اپنی تمام توجہ مسلمانوں کی تواریخ کی طرف مبذول کردی کیونکہ مجھے یہ معلوم کرنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ شہادت امام حسین علیہ السّلام کی صحیح منزلت کا عرفان اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ تاریخ وحدیث کا غائر نگاہ سے مطالعہ نہ کیا جائے۔ اس مطالعہ نے مناظرہ اور کلام کی کتابوں سے بھی مجھے رجوع کرادیا اور اب چند ایسے تلخ حقایق بھی میرے سامنے آئے کہ جن سے واقف ہونے کے بعد اگر فی الحقیقت توفیق الٰہی شامل نہ ہو تو حلقہ بگوش اسلام رہ جانا بہت ہی دشوار ہے۔ بات بات پر اختلاف اور ہر اختلاف پر ایک فرقے کی نشوونماء۔ میں سوچتا تھا کیا یہ اسی محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ کے پیرو ہیں جو دنیا میں اتمام اخلاق اور ابلاغ اخلاق کے ساتھ جمعیت انسانی کی پریشانی دور کرکے اس نوع کو نسل و وطن اور رنگ و رواج کے بندھنوں سے آزاد کرکے ایک خاندان بنانے آیا

تھا۔ میں سوچتا تھا کیا اسی محمدؐ کی امت ہے جس محمدؐ نے دنیا کی ہر قوت کی ربوبیت کو لا الٰہ الا اللہ کے کلمہ سے مٹا دیا تھا۔ اگر ایسا ہے تو پھر آج یہ علماء تفسیر و کلام و حدیث و فقہ تختِ حکومت کو بوریائے خلافت و امامت سمجھ کر سجدہ کیوں کر رہے ہیں ——— !

میں پہلے صرف اتنا ہی جانتا تھا کہ مسلمانوں کے دو فرقے ہیں، ایک شیعہ دوسرا سنی۔ مگر مطالعہ کے بعد پتہ چلا کہ فرقہ بندی اسی پر ختم نہیں ہوتی بلکہ شیعہ اور سنی کے علاوہ ایک خارجی فرقہ بھی ہے۔ اور پھر شیعوں میں بھی بہت سے فرقے ہیں اور سنیوں میں بھی، اور خوارج میں بھی۔ یہ بھی پتہ چلا کہ اسلام کے مصلّے بھی الگ الگ ہیں، اور قرآن مجید کی قراءت میں بھی اختلاف ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ معرفت الٰہی میں ذات و صفات کے جھگڑے بھی ہیں، اور نبوت کے منصب کو سمجھنے کے لئے بھی الگ الگ جماعتیں بنی ہیں۔ انسان کے اعمال و اشغال میں جبر و اختیار کا توازن بھی فرقہ پرستی کی اساس ہے، اور معاش و معاد کی افہام و تفہیم بھی مباہلہ اور مجادلہ کا باعث۔ اللہ کی پناہ۔ یہ اس مذہب کا حال ہے جو دین حنیف کہلاتا ہے، یہ اس امت کا عالم ہے جو امّت مرحومہ کہی گئی ہے۔ یہ اس جماعت کی کیفیت ہے جس پر دین کا اکمال اور نعمت الٰہی کا اتمام کیا گیا ہے۔ اور پھر طرّہ امتیاز یہ ہے کہ آپس کے اختلاف کو رحمت کہہ کر

اس عیب کو حسن ثابت کرنے کی کوشش میں محبوب کبریا سیدالانبیاء اصدق الصادقین خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین پر اتہام لگایا جاتا ہے کہ اس ذات گرامی نے اپنی امت کے باہمی اختلاف کو رحمت گردانا ہے۔ یاللعجب

یہاں مسلمانوں کے افتراق کا رونا مقصود نہیں اور نہ یہ بتانا ہے کہ کون حق پر ہے، کون باطل پر، نہ یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ واحد ناجی فرقہ کون سا ہے جسکی بشارت زبان رسالت سے دی گئی ہے۔ کیونکہ ہر فرقہ اپنا مقدمہ سچا ثابت کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ دلائل رکھتا ہی چلا ہے وہ صرف فلسفیانہ موشگافیوں پر ہی کیوں نہ مبنی ہو۔ اور نہ کوئی فرقہ یہ کہنے کے لئے تیار نہیں کہ وہ نجات سے محروم ہے، کہنا ہے تو اتنا کہ جس دین کے پاس ایک ایسا جھنڈا ہو جس پر حق پر مرنے والے شہیدوں نے اپنا خون چھڑک کر اس کے پھریرے کو اور زیادہ جاذب توجہ بنا دیا ہے۔ جس قوم کے پاس "جیو اور جینے دو" کا جیسا نعرہ ہو جو ہزاروں تلواروں کی چھاؤں میں اپنی گردن پر تلوار کا خط پڑتے دیکھکر بھی بلند کیا گیا ہو، جس ملت کے پاس حق و باطل کی جنگ میں قلت و کثرت کے سوال کو نظر انداز کر کے صرف امر بالمعروف کی شان برقرار رکھنے والے شہداء کا اسوۂ حسنہ ہو وہ ایسی متفرق دربدر اور اخلاق باختہ کیسے ہو گئی۔ اگر یہ کہنا کہ اختلاف صرف ذاتی مفاد چاہنے والوں نے پیدا کیا ہے یکسر غلط ہے، اگر یہ کہنا کہ اختلاف میں صرف کید دریا کارفرما

تھی سراسر جھوٹ ہے تو یہ بھی کہنا سچ نہیں ہو سکتا کہ افتراق بربنائے خلوص ہوا تھا اور حق دو باہمی اختلاف رکھنے والی جماعتوں میں دونوں طرف تھا۔ یقیناً یہ سارا جھگڑا قیاس سے پیدا ہوا۔ اور قیاس فلسفہ اور منطق کے سہارے جتنا پیچیدہ فلسفہ بنتا گیا اسلام کی جمعیتِ خاطر اتنی ہی پریشان ہوتی۔

ہم عہد نبوی ہی میں دیکھتے ہیں کہ صحابۂ کرام دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئے تھے' ایک وہ جماعت تھی جو رسول کے ساتھ ساتھ اہلبیت کو بھی اپنی مودت کا مرکز گردانتی تھی، دوسرا وہ گروہ تھا جسے وقت کی نزاکت اور موقع کے فائدہ کا زیادہ احساس تھا۔ اگر ایک طرف ذاتِ حضرت علی پر سرور کائنات کی توجہات کی زیادتی دیکھ کر اُن کو اپنی قیادت سونپنے کا ارادہ تھا تو دوسری طرف اس موقع کا امکان ہی ختم کرنے کی کوشش تھی' اُن کے بین بین ایک ایسا طبقہ بھی تھا جو ادھر بھی نہ تھا ادھر بھی نہ تھا۔ صرف اپنے مفاد کی طرف تھا۔ اس طبقہ کا قائد اعظم ابوسفیان ابن امیہ ابن عبدالشمس تھا[۱] جس نے سرور کائنات کے انتقال کے بعد ہی پہلے حضرت علی کو اکسانا چاہا اور جب ادھر سے تائید کے بدلے میں جواب ملا تو دوسری طرف جاکر اپنے لڑکوں کے لئے گورنری وصول کرلی۔ حضور اکرم کے سامنے جب کبھی صحابہ کا باہمی اختلاف پیش کیا گیا آپ کے چہرۂ مبارک پر ناراضگی کے آثار پائے گئے، پھر اختلاف امت کو آپ نے

---

[۱] مجھے معلوم ہے کہ ۸ھ تک مسلمانوں کی صف میں خواہ وہ مومنین کی ہو یا منافقین کی ابوسفیان کا پتہ ہی نہ تھا مگر مولفتہ القلوب میں شامل ہونے کے بعد اس کا کردار سامنے آیا ہے وہ تاریخی شہرت کی بنا پر عوام کے سامنے اس طبقہ کی سیرت پیش کردینے کے لئے کافی ہے [illegible]

رحمت کیسے قرار دے دیا۔ یہ ایک ایسا معمّہ ہے جس کا حل ہم نہیں کر سکتے۔

بہرصورت تاریخ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عہد نبوی ہی میں صحابہ کے گروہ میں اختلاف پیدا ہو گیا جو اس وقت تک ظاہر نہیں ہو سکا جب تک وہ رحمۃ اللعالمین کے فیض صحبت سے محروم نہیں ہو گئے۔

رسالتمآب کی وفات کے بعد یہ اختلاف چوبیس گھنٹوں کے اندر ایک آتش فشاں کی طرح پھوٹ پڑا۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت سے اختلاف کیا گیا اور شدید اختلاف۔ ایک طرف بنی ہاشم بیعت سے گریزاں تھے تو دوسری طرف اہل مضافات۔ مگر کامیاب سیاست سے کام لیا گیا۔ یمن کو تو تلوار کے زور سے زیر کر دیا گیا۔ مگر ہاشمیوں کے ساتھ یہ کارروائی مناسب نہ تھی اس لئے ان سے تالیف قلب کی پالیسی کے تحت معاملہ کیا گیا تاہم ایسا نہیں ہوا کہ ناخوشگوار واقعات رونما نہ ہوئے ہوں۔

شیعی روایات تو بہت کچھ کہتی ہیں۔ مگر روایاتِ عامّہ بھی کوئی اچھی داستان نہیں پیش کرتیں[۱]۔ کم سے کم اس بارے میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے بعد سے یمن تو باقاعدہ شیعی تحریک کا اڈہ ہو گیا اور بنو ہاشم ان اہم مناصب سے محروم کر دیے گئے جن کے وہ ہر طرح اہل تھے۔ اور وہ صحابہ جو اس خلافت سے متفق نہ تھے یا تو جنوں[۲] کے ہاتھوں مارے گئے یا پھر ان کو گوشہ نشین ہونا پڑا

۱ے قتل مالک ابن نویرہ۔ واقعہ فدک وغیرہ۔ ۲ے سعد بن عبادہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ صحرا میں انھیں کسی جن نے قتل کر دیا تھا۔

خلافت کی حکمت عملی پھر بھی قابل داد ہے کہ ابتدائی اختلاف کوئی اثر نہ ڈال سکا اور حضرت عثمانؓ تک حجاز کی سرحدوں کے اندر وہ سکون قایم رہا جو ایک بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ یہ سکون اس لئے قایم رہا کہ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر نے نہایت دانشمندی کے ساتھ اُن صحابہ کو جو ذی اثر تھے اور کسی وقت بھی معمولی سا بہانہ پاکر موجودہ نظام میں خلل انداز ہو سکتے تھے، نئی فتوحات کی مہم پر روانہ کیا۔ خالدؓ بن ولید کہیں بھڑائے گئے۔ سعدؓ ابن ابی وقاص کسی مہم پر بھیجے گئے۔ عمرؓ ابن عاص کو ایک طرف مشغول کر دیا گیا ابوعبیدہ جراحؓ کی مصروفیت اور کسی جانب کر دی گئی۔ یہ لوگ اکابرین میں سے بھی تھے، سیاست داں بھی تھے، ذی اثر بھی تھے، مدینے سے ان کے دور چلے جانے کے باعث بہت کم اندیشے رہ گئے تھے،

اگر حضرت عمرؓ کے بعد کوئی اور سخت گیر جانشین خلافت ہوتا تو وہ واقعات رونما نہ ہوتے جو حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہوئے۔ یہ کہنا اگرچہ غلط تو نہیں کہ تیسری خلافت کے زمانے میں جو فساد پیدا ہوا وہ حضرت عثمان کی اعزا نوازی کی بدولت ہوا لیکن ایک اور سبب کو نظر انداز کر دینا اس فساد کے تجزیے کو بالکل پورا نہیں ہونے دیتا وہ سبب یہ ہے کہ حضرت علی کے خلیفہ منتخب نہ ہونے کے باوجود ایک طبقہ ایسا تھا جو انھیں خلافت کا حقدار سمجھتا تھا اور دل سے اُنکا

بہی خواہ تھا۔ عملاً کچھ نہ کرسکتا تھا کہ صاحبِ اقتدار نہیں تھا۔ لہٰذا اس طبقہ نے یہ روّیہ اختیار کرلیا تھا کہ مسلمان فاتحین جن ملکوں پر اسلامی جھنڈا لہرا دیتے تھے وہاں یہ تبلیغ کے بہانے سے حضرت علی کے لئے میدان استوار کرتے، مفتوحہ قوموں کی ایک فطرت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ فاتحین کو پسند نہیں کرتیں پھر جو مسلمان فوجیں ممالک فتح کرتی تھیں وہاں اُن کی نظر مالِ غنیمت پر بھی رہا کرتی تھی۔ کنیز اور غلام بھی حاصل کئے جاتے تھے اس لئے وہ کمزور ہونے کے باعث زبان ہلانے کی جرارت تو نہ کرتے تھے مگر دل سے اپنے فاتحین کے دوست بھی نہیں بن سکتے تھے، ایسے میں اُن کو ایک ایسی طاقت سے تعاون کرنے میں باک نہیں ہوسکتا تھا جو موجودہ حکومت سے متفق نہ ہو۔ میرے اس خیال کو اس امر سے تقویت پہونچتی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے اس قتل کے بعد لوگ صرف حضرت علیؑ کے پاس خلافت کے لئے پہونچے حالانکہ اس منصبِ جلیلہ کے مشتاق اور بھی تھے، جو بعد میں قصاص حضرت عثمانؓ کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، اور حضرت علیؑ اب مسند خلافت پر قدم نہیں رکھنا چاہتے تھے جس سے اس کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ اس کدوکاوش میں جو محبانِ علی نے سالہا سال تک جاری رکھی تھی حضرت علی کا منشا شامل نہیں تھا۔

اس تحریک اور اس خلافت کے قیام سے یہ ہوا کہ دُور دُور کے

لوگوں میں بھی حضرت علی کا ذکر آگیا۔ اور اُن کی قربت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھی آپ کی عظمت و شرافت کا سبب بن گئی۔ جسے زمانہ پھر کبھی بھی یکسر ختم نہیں کرسکا۔ امیر معاویہ کا دریائے فیض جاری ہوکر بھی اگر حاصل کرسکا تو صرف لوگوں کی تلواریں۔ اسی عظمت و شرافت کی وجہ سے امیر معاویہ واقعہ تحکیم میں اپنی چال میں کامیاب نہ ہو سکے اور باستثنائے چند عام لوگوں کو حضرت علی سے توڑ کر نہ اپنے ساتھ ملا سکے اور نہ حضرت علی کے خلاف رائے عامہ حاصل کرسکے۔ فرقہ خوارج کا وجود میں آنا ان کی جزوی کامیابی کی دلیل ہے۔ مگر یہ فرقہ امیر معاویہ کے کوئی کام نہ آسکا اور الگ تھلگ ہی رہا ——— !

جناب امیر کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام کا فوراً خلیفہ منتخب ہوجانا بھی بتاتا ہے کہ لوگ اس خاندان سے کتنا عشق کرتے تھے۔ مگر حضرت علی کی شہادت سے جو دوستوں میں سراسیمگی پھیل گئی تھی اس نے دشمنوں کو اچھا موقعہ دیا کہ ان کو تیار ہونے سے پہلے ہی لپیٹ لیں۔ چنانچہ ابھی دو ہی تین مہینے ہوئے ہوں گے کہ ساٹھ ہزار کے لشکر سے حملہ ہوا۔ اور مختلف افواہیں پھیلا کر جبر و کید سے امام حسنؑ کو مجبور کردیا گیا کہ وہ امور مملکت امیر معاویہ کے سپرد کردیں۔ امیر معاویہ کی اپنے مقاصد میں یہ پہلی کامیابی نہیں ہے، موصوف کی سب سے پہلی

کامیابی دُو فرقوں میں اس حدّ فاصل کا قیام ہے جس سے شیعیان علیؑ اور شیعیان عثمانؓ ممیز ہوسکیں۔ دوسری کامیابی شیعیان علی میں اپنی چالبازی سے پھوٹ ڈال کر ایک تیسری جماعت کی تشکیل ہے جسے بعد میں خوارج کہا گیا۔ یہاں کہا جاسکتا ہے کہ امیر معاویہ نے خوارج کو کھڑا کیا تھا نہ بالراست ان کی مدد کی تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس فرقہ کے وجود میں آنے کے اسباب آپ ہی کی سیاست کے پیدا کردہ تھے۔ تیسری کامیابی شیعیان عثمان کو اہل سنت کا خطاب دینا یا پارٹی کا نام بدل کر اہل الجماعت رکھ دینا ہے' اگر ایسا نہ ہوتا تو جمل میں قصاص عثمان کا مسئلہ طے ہی ہوگیا تھا لوگ اس قصاص کے نام پر اب جنگ نہ کرتے۔ چوتھی کامیابی اسلامی خلافت کو رومی قیصریت کا ہمسر بنا دینا ہے بقول جرجی زیدان آپ پہلے وہ خلیفۂ مسلمین ہیں جس نے اپنا باڈی گارڈ دستہ مقرر کیا۔ اور یہ ایک ثبوت ہے میرے اس دعوی کا کہ امارت اہلبیت کی تحریک دلوں میں موجزن تھی فلاکت[۵۱] حال کا علاج امیر معاویہ کے خزانے میں موجود تھا اس لئے تلواریں گرد ہوگئیں مگر امیر معاویہ یہ بھی جانتے تھے کہ جذبات کو بدلنے میں دیر نہیں لگتی اس لئے جس پر شبہ ہو گیا کہ علی کو اور ان کی اولاد کو اچھا سمجھتا ہے یا اہل بیت کا دردمند ہے اس کا خاتمہ تلوار سے کر دیا۔ یا اس کا ایمان خرید لیا گیا۔ ہاں حقیقت سے گریز لازم نہیں اس لئے کہنا پڑتا ہے کہ امیر معاویہ نے ایمان

---

۵۱ مقریزی کا کہنا ہے کہ غریب طبقہ اہل بیت کے حق میں تھا اور امیر طبقہ اپنی دولت اور حیثیت کی عافیت اسی میں دیکھتا تھا کہ بنو امیہ کا ساتھ دے۔

زیادہ خریدے تھے سرگرم۔

بہر حال امیر معاویہ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آلِ محمدؐ کو برسر اقتدار لانے کے لئے لوگ نہایت بے لوث طریقے پر خفیہ کارروائیاں کر رہے ہیں، اس لئے موصوف نے اس عہد کے علماء کو خریدنا شروع کیا۔ ذی اثر صحابہ میں سے تو بہت سے اللہ کو پیارے ہو گئے تھے جو رہ گئے تھے وہ "با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام" کے مطابق چل رہے تھے۔ اگر امیر معاویہ سے کسی کو بے نیازی حاصل تھی اور امیر معاویہ کی آنکھ کسی کے سامنے جھپکتی تھی تو وہ ذات حسین ابن علی کی تھی۔ جو رسول اسلام کے سب سے پیارے نواسے تھے اور اسی باعث مرجع اشراف وانام تھے۔ امیر معاویہ کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اُن کی کرائی محنت پر اگر کوئی شخص پانی پھیر سکتا ہے تو وہ یہی شخصیت ہوگی، کیونکہ ایک تو رسول اللہ کی قرابت دوسرے ذاتی بردباری، تیسرے مستقل مزاجی چوتھے تقویٰ و پرہیزگاری پانچویں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی شدت، یہ تمام خصوصیات کافی ہیں اس امر کے لئے کہ جو لوگ آج تلوار کے سائے میں بنی امیہ کا دم بھرتے ہیں کل وہ بنی ہاشم کا کلمہ پڑھنے لگیں، اسی لئے انھوں نے علماء انساب عرب کا نسب نامہ اپنی حسب دلخواہ تیار کرایا۔ احادیث میں خلفاء کی اشرفیت کے روایات میں اضافہ کرایا اور ایسی احادیث کی بیاضیں مرتب کرائیں۔ مگر یہ تمام کارروائی بیکار ثابت ہوئی کیونکہ

جب اُن کا انتقال ہوا تو ایک طبقہ فوراً رسول کے فرزند کو امارت کی دعوت دینے لگا۔ یہ وہ لوگ تھے جو ذات امیرالمومنین سے مستفیض ہو چکے تھے یہ ہاشمی خلافت کے زمانہ میں اس کے برکات سے بخوبی واقف ہو چکے تھے اس لئے ان کو ایک شراب خوار زانی اور بدکردار خلیفہ پسند نہ آیا۔ ادھر اس تحریک کی ابتدا ہوئی اُدھر یزید نے اپنے باپ کے حکم کی تعمیل میں عبداللہ ابن عمر عبداللہ ابن زبیر، اور ابو عبداللہ الحسین سے جبری بعیت طلب کی۔ عبداللہؓ ابن عمرؓ نے بعیت کرلی۔ عبداللہ ابن زبیرؓ چھپ کر مکّہ چلے گئے، اور ابو عبداللہ الحسینؑ نے پہلے غور کرنے کے لئے مہلت طلب کی ازاں بعد صاف انکار کر دیا، اور گھر چھوڑ دیا ——————!

عبداللہ ابن زبیرؓ نے مکّہ میں حضرت امام حسینؑ سے کیوں یہ کہا کہ آؤ میں آپ کی بعیت کئے لیتا ہوں جبکہ وہ خود اپنی خلافت کے لئے کوشاں تھے۔ یہ مسئلہ کبھی مورخین کے زیر غور نہیں آیا۔ مگر یہ جملہ ایک ایسا بیج تھا جس سے بنو ہاشم کے نام سے دعوت دے کر اپنی امارت قایم کرنے کے دستور کا ایک چھتنار درخت کھڑا ہو گیا۔ مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی نے اس رویے پر عمل کیا اور اپنی امارت قائم کرلی۔ بنو عباس کے لئے یہی نسخہ کارآمد ثابت ہوا۔ مامون الرشید نے اپنے وقار کو اسی سے سنبھالا۔ فرق اگر ہے تو اتنا کہ امام حسین علیہ السلام نے اس چال کو رد کر دیا

دوسرے ائمہ زمانہ کی رفتار دیکھ کر خاموش بیٹھے رہے[۵]۔ نہ کسی تحریک سے
تعلق خاطر ظاہر کیا اور نہ کسی تحریک سے اختلاف کیا۔ اور اس کے باوجود ان
کی ذات کو حکومت اپنے لئے خطرناک سمجھتی رہی۔ غرضکہ یزید اپنے مسیحی ماحول
میں جو اسکی ماں کی طرف سے اُسے ملا تھا جس میں حرمت شراب کوئی شے ہی نہ
تھی، غیر مہذب بدّو قبیلہ کی آزادی کی فضا میں محرمات سے پرہیز کوئی معنی
ہی نہیں رکھتا تھا۔ اور یہ دونوں ماحول اس کو اسی زمانے میں میسر آگئے تھے،
جبکہ امیر معاویہ حیات تھے۔ بیٹے کی زندگی سے وہ متردد بھی تھے، اسپر بھی
یزید کو اپنی وراثت کے لئے نامزد کر دیا تھا۔ اب یزید کو اسلامی شعائر سے کیا
کام ہو سکتا تھا۔ اور وہ زندگیاں کیا عزیز ہو سکتی تھیں جو قانون الٰہی کے پابند ہوں
پھر یزید کو زیاد ابن سمیہ کے بیٹے عبیداللہ صاحب کے متعلق زیدان کا خیال ہے کہ
وہ حجاج بن یوسف سے بھی زیادہ سفاک تھا مگر یہ کہ یزید خود اسپر پابندی
عاید کئے رہتا تھا ساتھی مل گیا تھا۔ اب یزید کو کھل کھیلنے میں کون سی بات
مانع ہو سکتی تھی۔ چنانچہ وہ خوب کھیلا۔ مسلمانوں کے خون سے بھی کھیلا۔ مسلمان
عورتوں کی عصمت سے بھی کھیلا، اور پیغمبر کے محبوب نواسے کے
سر سے بھی کھیلا۔

بادی النظر میں کربلا کا واقعہ ایک معمولی سا واقعہ معلوم ہوتا ہے لیکن

---

[۵] امام جعفر صادق کے سوا۔ حضرت صادق آل محمد نے ابومسلم خراسانی کی تجویز دعوت کو اس کے قاصد کے سامنے ہی جلا دیا تھا۔

اسلام کے لئے یہ اتنا اہم ہوا کہ چاہے شیعہ فرقے ہوں چاہے سنی چاہے خارجی سب کے سب اس منزل پر آکر ایکبار ٹھٹک جاتے ہیں۔ کوئی اسکو مظلومیت کی عظیم ترین یادگار اور مرضیٔ مولا حاصل کرنے کے لئے سب سے بڑی قربانی سمجھ کر اسکی قدر وقیمت اپنے پرخلوص آنسوؤں سے مقرر کرتا ہے۔ کوئی اُسے تقدیر الٰہی اور وراثتی یا دشاہت کا کارنامہ سمجھ کر اس بات پر کبھی خوش ہوتا ہے کہ ایک شہید اپنے امتحان میں پورا اترا اور کبھی اس کا افسوس کرتا ہے کہ نواسۂ رسول کی شہادت ایک ایسے شخص کے ہاتھوں ہوئی جو مسند خلافت پر بٹھا دیا گیا تھا۔ اور کوئی اُسے دو شاہزادوں کی ایک حکومت کے لئے لڑائی سمجھ کر اسکو عرب کی سیاسی تاریخ کا ایک اہم واقعہ کہہ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ مگر یہ حیرت انگیز بات ہے کہ مصنف خواہ کسی فرقے کا ہو جب واقعہ کی جزئیات سے بحث کرنے لگتا ہے تو خون کے آنسو روتا ہے۔

کوئی مصنف ہو اور کربلا کے واقعہ کو کتنی ہی بے وقعت نظر سے کیوں نہ دیکھتا ہو جب امام حسین کی یہ جراءت دیکھتا ہے کہ وہ بغیر کسی پروگرام کے اور بغیر کسی پشتی کے برسر اقتدار شخصیت کی تابعداری الموت خیر من رکوب العار والعار اولی من دخول النار واللہ ما ھٰذا وھٰذا جاد کا نعرہ لگاکر انکار کر دیتے ہیں تو اُسے ان کی ہمت پر حیرت ہو جاتی

ہو پھر جب ایک ایک واقعہ اس سانحۂ عظیم کا آنکھوں کے سامنے آتا ہے، تو حیرت تعظیم سے بدل جاتی ہے۔

امام حسین کا مدینہ سے مکّہ کی طرف معہ اہل و عیال روانہ ہونا۔ حج کے موسم تک وہاں ٹھہرنا احرام باندھ کر کھول دینا۔ عین اس وقت جب کہ لوگ حج کے لئے بیت اللہ کی طرف روانہ ہو رہے ہوں آپ کا وہاں سے کوچ۔ اعزا اور احباب کے اصرار پر بھی سفر عراق سے گریزاں نہ ہونا۔ کیا یہ سب واقعات ایسے نہیں ہیں جو حسینؑ کے کردار کو سامنے کر دیں۔ اگر حسین مدینہ چھوڑ نہ دیتے تو واقعہ حرہ جو ۶۲ھ میں ہوا وہ ۶۱ھ ہی میں ہو جاتا۔ مکہ کا سفر اس لئے کیا گیا تھا کہ اس مرکز اسلامی کے تاثرات کو بھی دیکھ لیں کہ یزید کے تخت نشین ہونے کا اثر وہاں کیا ہوا۔ یقیناً آپ نے جو وہاں ۵ مہینے بسر کئے ان میں یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مکہ اب بھی اولاد ابو سفیان کو برداشت کر سکتا ہے۔ حج کے موسم تک انتظار کرنے کا مقصد یہی تھا کہ مختلف قبائل کی ذہنیت معلوم کر لی جائے اور یزید سے لوگ کتنا مطمئن ہیں اور کتنا غیر مطمئن اس کا اندازہ ہو جائے۔ میرے اس استدراک کو تقویت فرزدق شاعر کی ملاقات کے واقعے سے ہو جاتی ہے۔ جو اسی کتاب میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ تاریخ نے دوسرے قبائل سے امام عالی مقام کے معاملات کو غیر اہم جان کر محفوظ نہیں رکھا۔ مگر فرزدق کی شخصیت تاریخی تھی اسی لئے اس کا ذکر کر دیا گیا

اور یہی ایک واقعہ کافی ہے ان لوگوں کی تردید کے لئے جو کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے خروج کیا تھا۔ اس کے بعد کوفیوں کے خطوط پر حضرت مسلم ابن عقیل کو جو بھیجا، اور خود تشریف نہیں لے گئے وہ بھی اس امر پر شاہد ہے کہ آپ قطعًا اپنے حق کے لئے خونریزی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ اگر مسلم کی جگہ حسین کوفے پہونچ جاتے تو واقعات ایک دوسرا ہی رخ اختیار کر لیتے اور جنگ ہولناک ہوتی کربلا کے میدان میں نہ ہوتی صفین میں ہوتی۔ اور انجام چاہے کچھ ہوتا مگر ہزاروں لاکھوں اشخاص کا خون بہہ جاتا یا پھر یہ ہوتا کہ یہی کوفی حسین علیہ السلام کو گرفتار کر کے خود یزید کے پاس پہونچا دیتے اور وہ آپ کا خاتمہ اس انداز میں کر دیتا کہ آپ کا نام تک کوئی نہ لیتا۔ نہ دنیا کو آپ کا پتہ ملتا نہ کوئی جان سکتا کہ آپ کی شہادت بھی ہوئی ہے۔ غرضکہ وہ مقصد ہی فوت ہو جاتا، جس کے ابلاغ کے لئے حسین نے اپنی جان دینا تک گوارا کر لیا تھا پھر خود مکہ کو حج کے موسم میں چھوڑ کر چلا جانا اس خیال سے کہ وہاں جاسوس پہونچ چکے ہیں اور آپ کو شہید کرنے کی فکر میں ہیں، اس بیت اللہ کی حرمت پر آنچ آجانے کا خطرہ ہے' آپ نے اپنے اور عبداللہ بن زبیر کے طریق کار میں جو کچھ فرق ہے اُسے بالکل واضح کر دیا ہے۔ آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ آپ شعائر الٰہی کی حرمت کے تحفظ کے لئے ہجرت کر رہے ہیں جبکہ عبداللہ بن زبیرؓ اپنی حکومت کیلئے،

یہاں تک تو مورخ حسینؑ کو کسی حد تک ایک سیاسی شخصیت کی حیثیت سے

دیکھ سکتا ہے، مگر اس کے بعد سے تو آپ یکسر پرامن مبلغ اسلام معلوم ہوتے ہیں فرزدق سے ملاقات کے بعد تو یہ اظہر من الشمس ہوگیا تھا کہ کارزار میں آپ کو کوئی ساتھی نہ مل سکیگا۔ پھر بھی کوفہ کی طرف ہی آپ نے رخ کیا یہانتک کہ راہ میں آپکو اپنے ایلچی کی شہادت اور اپنے دوستوں کی قربانیوں کی اطلاع ملی، اس وقت آپ کا ارشاد قد نزل بنا ما ترون وان الدنیا قد تغیرت وتنکرت وادبر معروفھا ولم یبق الا کصابۃ الاناء لا یعمل الحق ولا یتناہی من الباطل ولا یری المومن الموت الا سعادۃ والحیوۃ مع الظالمین الا خسارۃ اس کے بعد چاہے منزل شراف ہو چاہے ہجائن النخان چاہے ذی خسم اور چاہے کربلا حسین کی ایک ہی آواز رہی۔ ایک ہی قول تھا اور وہ یہ تھا کہ صداقت وحق آج کل بے جان ہو رہی ہیں، شرافت اور غیرت کی قدر قیمت نہیں رہی تو ایسی حالت میں حسین ایسے اشرف ومشرف کا مرجانا ہی بہتر ہے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ آپ نے جس طمانیت قلب کا ثبوت دیا ہے وہ مدینہ سے مکہ اور مکے سے کربلا تک کی رہگذار کے ایک ایک ذرہ پر نقش ہے۔ بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ منزل جیسے جیسے کٹھن ہوتی جاتی ہے ویسے ویسے جوہر کھلتا جاتا ہے، حُر کے راستہ روکنے پر جو کچھ ارشاد ہوتا ہے اس میں بہت نرمی ہے لیکن اللہ وہ تقریر جو شہادت سے چند ساعت پیشتر فرمائی ہے، اس میں صداقت کا لہجہ

اتنا واضح ہوگیا ہے کہ اسکی فوج یزید کے نہزاروں ڈہل کی بانگ بھی نہیں دبا سکی اللہ! وہ دعا جو اس نازک وقت میں جب کہ ایک نشانہ تھی ان کی ذات پتھر، تیر نیزے اور تلوار کا اَللّٰھُمَّ اَنْتَ ثِقَتِیْ فِیْ کُرْبَتِیْ وَعُدَّتِیْ فِیْ شِدَّتِیْ وَقُوَّتِیْ فِیْ شَامَتِیْ وَرِجَائِیْ فِیْ کُلِّ حَالَۃٍ اَنْتَ وَلِیِّ وَوَلِیِّ مَا اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَمُنْتَہٰی کُلِّ غَایَۃٍ فَاکْفِنِیْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ہے کسی میں حوصلہ ہے جو اس طرح رجوع قلب سے زخم پر زخم کھاتے ہوئے دعا کرے، ہے کسی کا کلیجہ جو تسلیم و رضا کی منزل کو اس دل سے طے کر دے جبکہ تمام اعزا کے داغ ہوں۔ امام حسین علیہ السلام روزانہ صبح و شام ایک دعا پڑھتے تھے:۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْكَ وَ وَجَّھْتُ وَجْھِیْ اِلَیْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْكَ اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ تَکْفِیْنِیْ مِنْ کُلِّ اَحَدٍ وَلَا یَکْفِیْنِیْ مِنْكَ اَحَدٌ۔ کیا شہادت کے وقت کی دعا اس دعا کی وضاحت نہیں ہے۔ کیا اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ جیسے جیسے امتحان پورا ہو رہا تھا حسین کی تسلیم و رضا نکھر رہی تھی۔

اگر حسین یزید کی بیعت کر بھی لیتے تو اُن کا انجام شہادت ہی ہوتا۔ کیونکہ ارنیب بنت اسحاق کے معاملہ میں یزید کو حسین کے ہاتھوں جو شکست ہوئی تھی، وہ ایسی نہ تھی جسکو نفسانیت کا مارا یزید بھلا سکتا۔ پھر حسین کا کیرکٹر ایک ایسے سانچے میں ڈھلا تھا جو ہر نقطۂ نگاہ سے خوبصورت نظر آرہا تھا۔ یزید اپنے آپ کو اس سانچے

میں ڈھال ہی نہیں سکتا تھا۔ حسین ایک طرف سراپا شریعت تھے تو دوسری طرف معاملات دنیوی میں بھی اپنے زمانے سے پیچھے نہ تھے۔ آپ شام کے اسٹیج پر ہونے والے کھیل کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ صرف ایک بات تھی جو وقت سے پہلے آپ کو اس سیاسی تماشے میں مداخلت سے روک رہی تھی۔ اور وہ معاہدہ امام حسن و معاویہ کی پابندی۔ یہی وجہ تھی کہ تدفین امام حسن کے معاملہ میں آپ کی تلوار نیام سے نہیں نکلی۔ مگر آپ کا سکوت امیر معاویہ کو ہمیشہ خطرناک محسوس ہوا۔ چنانچہ انھوں نے یزید کو اس کے دشمنوں سے واضح لفظوں میں باخبر کر دیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ پاس قرابت رسول کی تاکید بھی کر دی ہو۔ اندریں صورت امام حسین سے بیعت حاصل کرنے کے بعد بھی یزید کو تسکین نہیں ہو سکتی تھی۔ اور حسین کو اس بیعت میں بھی راحت کا شائبہ ملنا دشوار تھا۔ لہذا امام مظلوم نے نہ بیعت کرنا ہی انسب سمجھا۔ تاہم مبارزت میں پہل نہیں کی۔ حالانکہ جیسے ہی امیر معاویہ نے معاہدہ کی آخری شق کی بھی خلاف ورزی کی تھی آپ کو اس کے خلاف کارروائی کر دینا چاہیئے تھی، دراصل اگر غور سے دیکھا جائے تو حضرت امام حسنؑ کی شہادت کے بعد سے آپ کی زندگی ایک خاموش احتجاج بن کر رہ گئی تھی۔ وہ وقت جب امیر معاویہ نے عبدالرحمٰن ابن ابی بکرؓ۔ عبداللہ ابن عمرؓ۔ عبداللہ ابن زبیرؓ اور خود حسینؑ سے یزید کو جانشین بنانے کے لئے تلوار کے سائے میں رائے چاہی تھی ایک بہت نازک وقت تھا۔ وہاں

امام علیہ السلام نے سکوت انکاری اختیار فرما کر اپنے احتجاج کو پوری طرح واضح کر دیا تھا۔ سکوت انکاری اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اس سے پہلے دو بار امام حسینؑ نے امیر معاویہ سے یزید کی جانشینی پر اپنی مخالفت کا اظہار صاف لفظوں میں کر دیا تھا۔ پھر بھی امیر معاویہ نے آخری وقت معاہدہ کو ختم کرنے کا صاف ارادہ ظاہر کر دیا اور یہ ایسی بات تھی کہ اس پر امام حسینؑ کو اس معاہدہ کے ختم ہونے کا اعلان کر کے جنگ کی تیاری کرنا چاہئے تھی مگر آپ کے سامنے دو سوال تھے ایک تو یہ کہ معاہدہ میں یہ تھا کہ معاویہ اپنی زندگی تک امیر رہیں گے اس کے بعد یہ امارت امام حسینؑ کو ملے گی لہذا وہ کتنے ہی جانشین پیدا کریں کوئی قانونی اعتبار سے صحیح نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ جدال و قتال کی ابتدا کر کے امام علیہ السلام بندگان خدا کا خون بہانا نہیں چاہتے تھے خصوصاً اس حالت میں کہ آپ کے ساتھی اس وقت تیار نہ تھے اور امیر معاویہ کی فوجی طاقت منظم تھی۔ مگر جب یزید واقعی تخت نشین ہو گیا تو حضرت امام حسین علیہ السلام کو علانیہ مخالفت کرنا پڑی مگر پھر بھی آپ نے تلوار سے کام لینا نہیں چاہا۔ جس پیغمبر کے آپ وارث اور جانشین تھے اس کی سنت یہ تھی کہ پہلے تبلیغ کی جائے۔ اگر ایک جگہ قوت فراہم نہ ہو تو ہجرت ہو۔ بالآخر جب اس امر کا یقین ہو جائے کہ حق کی طاقت بھی منظم ہو گئی ہے اور اگر اب جہاد بالسیف نہیں ہوتا تو ابلاغ حق کیا احیاء حق کی بھی صورت باقی نہیں رہ سکتی اس وقت میدان جنگ میں اترا جائے

چنانچہ آپ نے مدینے سے مکہ کا سفر کیا پھر وہاں سے کوفہ کا ارادہ کیا۔ مدینہ سے لے کر مکہ تک اور وہاں سے روانہ ہو کر راستہ میں جو حق پسند آپ کے ساتھ ہو گئے ان کو آپ منظم کرتے چلے گئے مگر یہ یقین دلاتے ہوئے کہ آپ خود شہادت کے لئے آمادہ ہیں فتح کی امید کم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو نہ بھی اگر جانتے اور وہاں ایسی طاقت یکجا نہ ہوتی جو نصرت حق کا کام پوری طرح انجام دے سکے تو آپ ہرگز جنگ نہ فرماتے۔ اور اسی انداز میں حق کی حفاظت فرماتے جو قبل ہجرت آنحضرت صلعم کا تھا۔ بالآخر جب حر ابن یزید ریاحی نے آپ کا راستہ روکا اور آپ وادئی نینوا کی طرف جانے پر مجبور ہی ہو گئے تو آپ نے رضاً بقضا رہ تسلیما لامرہ کی مصداق اس کام کو جو تلوار مار کر ہو سکتا ہے تلوار کھا کر پورا کرنے کا فیصلہ کر لیا اگرچہ اتمام حجت کے طور پر جدال و قتال سے اپنی بیزاری کا اظہار فرمانے کے لئے یہ شرط پیش کی کہ آپ کو مدینہ لوٹ جانے دیا جائے۔ یا یزید سے بالمشافہ گفتگو کرنے کا موقع دیا جائے یا پھر آپ کو راستہ دیا جائے کہ آپ عرب و عراق سے دور بہت دور مشرق کی طرف سرزمین ہند کو روانہ ہو جائیں۔ ان کو کیوں نہیں منظور کیا گیا؟ لوگ کہتے ہیں عمر ابن سعد ابن وقاص یا شمر ذی الجوشن کی شقاوت قلبی کی بنا پر یا ابن زیاد کی دشمنیٔ اہلبیت کے سبب سے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ابن زیاد کی عقابی آنکھیں اپنی سیاسی بصارت کی بنا پر یہ دیکھ رہی تھیں کہ اگر ان کو زندہ رہنے دیا گیا تو ان کی

موافقت کرنے والے جو لوگوں کو ان کی طرف دعوت دے رہے ہیں اندر ہی اندر ایک مضبوط جماعت کی صورت میں منظم ہو جائیں گے اور یزید کے احاطۂ اقتدار سے دور ہونے کے سبب سے امام حسینؑ پر پھر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ آپ کو گھیر گھار کر فرات کے کنارے آبادی سے دور کوفے کے راستے سے ہٹا کر کربلا لایا گیا۔ تیسری تاریخ کو آپ وہاں پہونچے سات دن تک قیام رہا بلکہ چھ دن کہئے کیونکہ ساتویں دن عصر کے وقت تک حسینؑ کا جسم زمین پر تھا سر نوک نیزہ پر۔ چھ دن تک وہ چھوٹا سا قافلہ جو حق کی تبلیغ کرنے کے لئے تارک الوطن ہوا تھا فوجوں کے نرغے اور آماجگاہ خدنگ جفا میں اس کا منتظر تھا کہ مفاہمت و مصالحت کا انجام کیا ہوتا ہے نویں محرم کو بالآخر فیصلہ کیا گیا کہ اب حسینؑ کے ہاتھ کی نہیں، سر کی ضرورت ہے پہلے بھی ہاتھ کی ضرورت نہ تھی سر کی ضرورت تھی بیعت کا بہانہ تھا سجدہ مقصود تھا۔ راعی و رعایا کا تعلق نہیں بندگی و خدائی کا رشتہ مطلوب تھا حسینؑ کا سر خدا کے سوا کسی کے آگے جھک نہیں سکتا تھا حسینؑ کا ہاتھ احکامات الٰہی کے خلاف اٹھ نہیں سکتا تھا زبان سے خلاف ضمیر آواز بلند نہیں ہو سکتی تھی اور یزید سجدہ چاہتا تھا اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل کے لئے حسینؑ کا دست تعاون چاہتا تھا، اپنی گندہ ذہنی کی تائید چاہتا تھا یہ نہ ملیں تو پھر ان ہاتھوں کو توڑ دینا مقصود تھا جو معاونت معصیت سے انکاری ہوں اس زبان کو

خاموش کر دینا مقصود تھا ہفوات سے مبرا ہو ، اس سر کو قطع کرنا مقصود تھا جو غیر اللہ کے سامنے جھک نہ سکتا ہو۔ حسینؑ نے اپنا ہاتھ کٹا لیا بیعت نہیں کی۔ سر کٹا لیا سر جھکایا نہیں۔ ہاں جو چیز یزید کے قابو سے باہر تھی وہ حسینؑ کے ضمیر کی آواز تھی جو جسم پاک سے الگ ہو جانے کے باوجود بھی بلند ہوتی رہی سورۂ کہف کی آیات کی صورت میں اب چاہے معجزہ کے قائل اسے حسینؑ کے قطع شدہ سر کی معجز نما تلاوت کہہ لیں یا نیزہ پر اس کی نمود کو آیات سورۂ کہف کی مصور تفسیر۔

جو کام حسینؑ زندہ رہ کر نہیں کر سکتے تھے وہ اپنی شہادت سے کر گئے۔ زندہ رہتے بغیر بیعت کئے تو عافیت اس میں ہوتی کہ خاموش رہیں۔ بیعت کر کے زندہ رہتے تو قول سنبھالنے کے لئے بات بنانا پڑتی۔ ابلاغ حق ممکن نہ ہوتا مرنے کے بعد تو کربلا کا ذرہ ذرہ ان کا ترجمان بن گیا۔ کوفے کی ایک ایک گلی اور شام کی ایک ایک شاہراہ ان کے منزل مقصود کی طرف جا پڑی۔ محمد ابن حنفیہ۔ عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ ابن جعفر۔ فرزدق شاعر۔ عبداللہ ابن زبیر سبھی نے روکا تھا، منع کیا تھا کہ اگر غریب الوطنی ہی مقصود ہے تو اہلبیت کو اپنے ہمراہ نہ لے جائیے ناموس پیغمبر کو ساتھ نہ رکھئے مگر آپ نے نہیں مانا تھا۔ کیا آج جبکہ تمام واقعات ہمارے سامنے ہیں ہم یہ کہنے میں غلطی کرتے ہیں کہ حسینؑ ایک خاص مقصد سے اپنے اہل حرم کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ سوچئے مدینہ میں اگر حسینؑ رہ جاتے تو یزید کو

اپنے مقصد میں کامیاب ہونے میں کتنی آسانی ہوئی۔ ابن ملجم کے سے لاکھوں بھائی بند موجود تھے جو کسی وقت بھی آپ کو دھوکے سے شہید کر سکتے تھے۔ اس وقت کوئی حسینؑ کے صحیح پیغام سے واقف ہوتا؟ اگر مکہ میں یزید کے فرستادہ پیک اجل سے پیغام قضا لے لیتے تو غلاف کعبہ پر بے حرمتی کا ایک زبردست دھبہ نظر آتا وہ بھی ابن کعبہ کے خون کا۔ وادی غیر ذی زرع میں جو شہادت کی منزل سر کی گئی اس نے واقعہ سے پہلے ہی اس کی اہمیت سے دنیا کو آشنا کر دیا تھا۔ کوفے اور شام سے فوجوں کے دستے یلان رزم دیدہ کوہ آہن بنے ہوئے سیکڑوں کی تعداد میں جب ایک خاص سمت جاتے نظر آتے تھے تو لوگوں کے دل دہل جاتے تھے۔ ایک شہرت تھی کہ امیر کی فوجیں ایک باغی کی سرکوبی کے لئے جا رہی ہیں۔ یہ باغی کون ہے اس کا نام نہیں بتایا جاتا تھا۔ کربلا کی کارزار ختم ہوئی اور اہلبیت کو اسیر کر لے جایا گیا۔ اس منزل پر آکر امام حسینؑ کی دور اندیشی معلوم ہوتی ہے۔ جدال و قتال جو ہونا تھا وہ تو ہوا شہادت بھی یقینی تھی مگر اس شہادت کے پس منظر میں شہید کا کون سا جذبہ کارگر تھا اس کی تبلیغ کی اشد ضرورت تھی لہذا یہ کام اہل بیت کے سپرد ہوا اور اسی غرض سے رسولؐ کی نواسیوں کو امام حسین علیہ السلام اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ کچھ تو نوک نیزہ پر شہدا کے سر زبان حال سے اپنا پیغام سناتے تھے اور اس زبان کو جو لوگ نہ سمجھتے تھے ان کو حضرت امام زین العابدینؑ جناب زینبؑ کے خطبات

اور جناب سکینہؑ کے بیان حسینؑ مظلوم کی شہادت کے اسرار و رموز سے واقف کر دیتے۔ اے اہل بیت اطہار! اے صداقت کو روشناس کرانے کے لئے سر برہنہ ہونے والی اسیر خواتین! اے انسانیت کا درس دینے والے رسن بستہ بچو! میں گواہی دیتا ہوں کہ تمھارے بوجھ سے اسلام کی گردن اتنی ہی جھکی رہے گی جتنا بلند تمھارے سرتاج کا سر نوک نیزہ پر تھا۔

گیارہ محرم کو اساری اہل بیت کا کوچ کربلا سے کوفہ کے لئے ہوا جہاں جہاں سے گزرتے ایک ہجوم ان اسیروں کو دیکھنے کے لئے اکٹھا ہو جاتا جو سر برہنہ رسن بستہ اور شتران بے کجاوہ پر سوار تھے۔ جب مجمع اکٹھا ہو جاتا تو عالم علم لدنی کی بیٹی افصح العرب کی نواسی ان کو مخاطب کر کے انھیں ناموس رسول کی بے حرمتی سے باز آنے کی استدعا کرتی اور اس طرح ایک طرف وہ طلسم توڑتی جو یزید نے پھیلایا تھا۔ لوگ جانتے تھے کہ کربلا میں جس کو قتل کیا گیا ہے وہ ایک خارجی تھا مگر ان مجبور قیدیوں کی زبان سے جو صداقت کا آئینہ تھی انھیں معلوم ہو جاتا کہ یزید نے اس کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں جو محبوب خدا کا سب سے زیادہ چہیتا نواسہ تھا اور اس منصب کے لئے زیادہ موزوں تھا جس کو یزید نے غصب کر لیا ہے۔ کربلا سے کوفہ اور کوفے سے شام تک یہی مجلس جاری رہی لوگ حسینؑ کے اہل حرم سے حسینؑ کی شہادت کا بیان سن کر روتے رہے۔ جن کو

ان مرنے والے بچوں نے اور زیادہ متوثر کر دیا تھا جو شدت تکلیف سے راستہ میں مرتے جا رہے تھے جن کی قبریں آج بھی زائرین کے لئے سرمہ بصیرت فراہم کرتی ہیں۔

اسیران کربلا ہی کا کارنامہ ہے کہ ہمیں یزید کے خلاف کھلی بغاوت کے آثار اسی وقت سے نظر آنے لگتے ہیں جب وقت عمر ابن سعد نے انھیں رسیوں میں جکڑ کر کوفے کی راہ لینا چاہی تھی چنانچہ حمید ابن مسلم کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جب خیام حسینی کو لوٹنے کے لئے فوج یزید روانہ ہوئی تو قبیلہ بکر بن وائل کی ایک عورت جو اپنے شوہر کے ساتھ عمر ابن سعد کی فوج میں آئی ہوئی تھی تلوار کا ایک ٹکڑا اٹھا کر یہ کہتی ہوئی دوڑی کہ کیا رسولؐ کی بیٹیاں لوٹ لی جائیں گی؟ عبید اللہ ابن زیاد کی شقاوت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ یہ اسی کی ستم رانی کا کارنامہ تھا کہ مسلم ابن عقیل اور ہانی ابن عروہ کی شہادت اہل کوفہ کے لئے یکسر ہمت شکن ثابت ہوئی اور ان کو تو چھوڑئے جو پہلے ہی دغا کر چکے تھے وہ لوگ بھی جو دل میں نصرت حق کا جذبہ رکھتے تھے اپنے انجام سے ڈر کے گھر بیٹھ گئے مگر آج اسی عبداللہ ابن زیاد کا دربار ہے جہاں ایک صحابی علی الاعلان حسینؑ کی منزلت بیان کرنے میں اپنی جان کا خوف نہیں کھاتا زید ابن ارقم نے جو ابن زیاد کو دیکھا کہ سرِ حسینؑ پر لکڑی مار رہا ہے تو چیخ اٹھے کہ خدا کی قسم

میں نے رسولؐ خدا کو دیکھا ہے کہ وہ ان دانتوں کے بوسے لے رہے تھے۔ گریہ ضبط نہ ہوا رونے لگے۔ ابن زیاد دانت پیس کر رہ گیا کچھ کر نہ سکا اور آپ یہ کہہ کے دربار سے چلے آئے کہ اے لوگو! آج کے دن سے تم لوگ غلام بنا لئے گئے۔ اب ابن زیاد تم میں سے نیکو کاروں کو قتل کرے گا اور بروں کو غلام بنائے گا۔ اسی طرح پے در پے مالک ابن انس اور قیس بن عبادہ نے بھی دلیرانہ احتجاج کیا اور عبداللہ ابن عفیف ازدی نے تو باقاعدہ ابن زیاد کو چیلنج کیا۔ پھر ہم دربار یزید میں دیکھتے ہیں کہ ابو برزہ اسلمی اور مروان بن حکم کے بھائی یحییٰ بن حکم نے یزید کو بھرے دربار میں ملامت کی جب کہ وہ نشے میں چور امام مظلومؑ کے سر سے کھیل رہا تھا۔

افسوس تو یہ ہے کہ مقدمہ کتاب نہایت طویل ہوتا جا رہا ہے ورنہ جناب امام زین العابدینؑ حضرت زینبؑ و ام کلثومؑ کے خطبات یہاں لکھ کر بتاتا کہ یزید کی لادینی حکومت کا پردہ فاش اور حق کی تبلیغ کرنے کے لئے ان لوگوں نے اپنی زبان سے مجبوری اور اسیری کے عالم میں کیا کیا کام لیا۔ مگر اتنا کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ ان کی آواز کی بازگشت یزید کو خود اپنے محل میں سننا پڑی اور اس سے بغاوت اسی کے گھر سے شروع ہو گئی۔ اس کی بیوی ہند بنت عبداللہ بن عامر بن کریز نے باقاعدہ یزید پر سب و شتم اور

حسینؑ کا ماتم کیا اور اس کے بیٹے معاویہ نے اپنے باپ سے بیزاری چاہی
یہ اسیر اس طرح اپنے مقصد کو پورا کرنے میں اس وقت کامیاب ہو گئے جب
شام کے قید خانہ میں آل حسینؑ میں سے ایک بچی نے تڑپ تڑپ کر جان دیدی۔
شام میں اسی دن سے کہرام مچ گیا بالآخر یزید نے اہل بیت کو رہا کر دیا۔تالیف
قلب کی کوشش کی جسے ان مخدرات عظمیٰ اور حضرت زین العابدین نے
ٹھکرا دیا۔ کیونکہ ان کو ایک مقصد کے تحت کام کرنا تھا ان کو اس بات کی تبلیغ منظور
تھی کہ حق کیا ہے اور کس کی طرف راجع ہے سو انہوں نے پوری کر دی۔جس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ پھر کبھی حکومت دنیا کے دلدادوں نے حکومت دینی کے سلاطین سے بیعت
کی خواہش نہیں کی اور دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک تگ و دو شروع ہو گئی منصوص آئمہ کو
وہ سلطنت دلانے کے لئے جو ان کا حق تھا۔

یہ بات ایک حد تک حیرت ناک ہے کہ اسیروں کی آواز کا سب سے زیادہ
اثر اگر کسی پر ہوا تو ایک اسیر پر۔ مختار ابن عبیدہ ثقفی ابن زیاد کی قید میں تھے جب
اہلبیت اسیر ہو کر کوفے پہونچے دربار ابن زیاد ہی میں دونوں ملے اور وہیں امیر مختار نے
حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے کی قسم کھائی اور اس نے اس قسم کو پورا کیا۔ ہمیں ان
کی نیت پر شک نہیں مگر حضرت امام زین العابدین کو جو اس لئے واقعۂ کربلا کے
بعد خاموش ہو گئے تھے کہ اگر وہ اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے اٹھتے تو

حسینؑ کی نسل قطع ہو کر رہ جاتی اپنے حسب منشا خلافت و حکومت کے لئے
لڑنے پر آمادہ نہ پاکر امیر مختار نے جو امامت محمد بن حنفیہ کی دعوت شروع
کر دی وہ ایک ایسا دھبہ ہے جو ان کے دامن سے کبھی نہ مٹے گا۔ جہاں تک
تواریخ بتاتی ہیں امیر مختار نے حسینؑ مظلوم کا قصاص تو لیا مگر جو تحریکیں
وہ شیعیان اہل بیت میں پھوٹ ڈالنے کا باعث ہوئیں اور قبل اس کے کہ
وہ منظم ہو جائیں اور ایک تنظیم کے تحت بنو امیہ سے ٹکرا کر آل محمدؐ کا حق قائم
کریں آپس کی شکست و ریخت اور عبداللہ ابن زبیر اور بنو امیہ سے لڑ کر وقت
سے پہلے اس طرح ختم ہوئیں کہ ان کو پنپنے کے لئے دو صدیاں درکار ہوئیں اور
ان دو صدیوں میں زمانے کے اثرات نے شیعوں کے کئی فرقے بنا دیے۔ امیر مختار کو
اپنی دعوت میں اتنی تیزی نہ دکھانا چاہئے تھی اور امام زین العابدین کو چھوڑ کر
محمد ابن حنفیہ کی طرف صرف اس لئے نہ رجوع ہو جانا چاہئے تھا کہ حضرت امام علی
ابن الحسین سید الساجدین کھلم کھلا ان کی اعانت کرنے سے معذرت کرتے تھے۔
پھر مختار کو عبداللہ ابن زبیر سے ٹکرانا نہیں چاہئے تھا کیونکہ ان کے مد مقابل صرف
بنی امیہ تھے جن کے دامن پر امام حسینؑ کے خون کے داغ تھے۔ یہ بھی ایک
امر حیرت ہے کہ عبداللہ ابن زبیر ایک طرف تو واقعۂ کربلا کی تفصیل سن کر گریہ و
زاری فرماتے ہیں دوسری طرف اس قوت کو بھی ختم کر دیتے ہیں جو حسینؑ کا انتقام

لینے کے لئے بنو امیہ سے برسرپیکار رہے۔

امیر مختار کا مصلحت امام کو نہ سمجھنا شیعوں کے حق میں کیا ہر اس مسلمان کے حق میں جو آل محمد کو ان کا حق دلانا چاہتا تھا اور آئمہ اہل بیت کو امیر دین و دنیا بنانا چاہتا تھا، بہت برا ثابت ہوا ایک طرف تو ان کے محمد بن حنفیہ کی امامت کے سوال کو اٹھانے کی وجہ سے شیعیان علی میں انتشار پیدا ہوا اور باقاعدہ ایک فرقہ کیسانیہ کی بنیاد پڑ گئی۔ دوسری طرف بنو امیہ اور خلافت و امامت کے دلدادہ عبداللہ ابن زبیر کو تمام شیعوں سے کھلم کھلا بیر ہو گیا اور دوستان آل محمد کا خون پانی کی طرح بہایا جانے لگا۔ عبداللہ ابن زبیر نے امیر مختار کو ختم کر دیا مگر خود بھی بنی امیہ کی تلوار سے نہ بچ سکے اور باوجود اس کے کہ ان کے دل کی آگ غلاف کعبہ تک کو لگ چکی آخر مکے ہی میں قتل ہو کر حرمت بیت اللہ کو داغدار بنا گئے۔ مختار کو واقعہ حرہ سے بھی سبق لینا چاہئے تھا جو ۶۳ھ میں واقع ہوا تھا۔ اگر ایسا کرتے تو ان کو حضرت امام زین العابدین کے سکوت کا راز معلوم ہو جاتا۔ واقعہ حرہ میں علی ابن الحسین اور علی ابن عبداللہ ابن عباس کے گھر تاخت و تاراج ہونے سے اسی لئے بچ گئے کہ انہوں نے وقت کی نزاکت کو جان کر خموشی اختیار کر رکھی تھی۔ امام زین العابدین کا تحمل اس موقع پر ایک عجیب سیاسی بصیرت کا پتہ دیتا ہے وہ دیکھ رہے تھے کہ مدینہ والوں کو صرف اس قصور پر کہ وہ نواسۂ رسولؐ کے قاتل کو اپنا بادشاہ

یا خلیفہ نہیں مان سکتے تھے، قتل کیا جا رہا ہے۔ غالبًا امیر مختار کی کارروائیوں سے جو آپ نے دامن بچا رکھا تھا وہ اسی سیاسی بصیرت کی بنا پر تھا کیونکہ امیر مختار کا انداز کار بتا رہا تھا کہ یہ کامیابی زیادہ دن کی نہیں۔ تاہم امام علیہ السلام مختار کے لئے دعا فرمائی جب قاتلان حسینؑ کے سر آپ کے پاس بھیجے گئے۔

سوال یہ آپڑتا ہے کہ جب حضرت زین العابدین یہ جانتے تھے کہ مختار قصاص کے لئے خروج کر رہے ہیں اور اموی ہاتھوں سے خلافت کو نکال کر اہل بیت کے حوالے کرنا چاہتے ہیں تو پھر امام علیہ السلام نے ان کو اجازت کیوں نہ دی اور اپنے کو اس تحریک سے وابستہ کیوں نہ کیا؟ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ حضرت سید سجاد کی پیش بینی تھی جو آپ نے امیر مختار کی تحریک سے گریز فرمایا۔ ایک سبب تو یہ تھا کہ آپ عبداللہ بن عفیف اور ان کے ازدی بھائیوں کا انجام اس سعی قصاص میں دیکھ چکے تھے پھر سلیمان ابن صرد خزاعی اور ان کی جماعت کی کوششوں کا نتیجہ بھی ان کے سامنے تھا۔ اندریں صورت جب ایک طرف عبداللہ ابن زبیر خون امام حسینؑ کو اپنی امارت و خلافت پر رنگ چڑھانے کی کوششوں میں مصروف تھے اور خود مختار بھی اپنی امارت کے خواب دیکھ رہے تھے جو اس امر سے ثابت ہو چکا تھا کہ انہوں نے سلیمان ابن صرد کی جماعت کا جو صرف قصاص خون حسینؑ پر عازم تھی ساتھ نہیں دیا تھا۔ عبداللہ ابن زبیر کا ساتھ انہوں نے

اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ جو کچھ عزم عبداللہ کا تھا وہی ان کا تھا۔ اور آپ کی آنکھوں کے سامنے بنی امیہ کی سفاکی کے ایسے مناظر بھی تھے جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ وہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے جو کچھ ہو سکے گا کر گزریں گے، اس لئے آپ نے سکوت اختیار فرمایا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ کربلا کے واقعہ کے بعد بنی ہاشم خود شکستہ دل ہو گئے تھے اور بنی فاطمہ خصوصیت کے ساتھ بالکل بے سہارا ہو رہے تھے ایسے میں ان بقیۃ السیف کی حفاظت ان کے اخلاق کی تعمیر اور دنیا میں انھیں از سر نو ذی حوصلہ بنانے کا فرض بھی عائد تھا اس لئے آپ نے ہر اس تحریک سے احتراز فرمایا جس کا انجام تباہی و رکنار تھا۔

رہ گئے محمد بن حنفیہ سو وہ ہمیشہ سے مغلوب الغضب واقع ہوئے تھے۔ ایک طرف نوجوش و توت دوسری طرف اپنے بھائی کی شہادت اور ایسی شہادت جو انتہائے بیکسی کے عالم میں ہوئی تھی تیسری طرف اپنی مجبوری کے غصہ کے عالم میں ہاتھ کی گرفت سے زرہ پھاڑنے میں انگلیاں توڑ بیٹھے تھے اور تلوار پکڑنے کے قابل نہیں تھے اگر ان تمام باتوں نے مل کر آپ کو اس پر آمادہ کر دیا کہ امیر مختار کو قصاص کی اجازت دیدیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بہادر جب مجبور ہوتا ہے تو دانت پیس کر اپنے ہی ہونٹ چبا لیتا ہے۔ یہی حال محمد حنفیہ کا ہوا۔ امام کی مصلحت سمجھ میں نہ آئی فرزند حضرت علیؑ ہونے کی وجہ سے دل میں یہ خیال بھی پیدا تھا کہ

جب دو بیٹوں کو امامت ملی ہے تو مجھے بھی ملے گی۔ اس امامت کے اختیار نے ہی شاید امیر مختار کو اجازت دلوا دی ہو۔ مگر اجازت بھی کیا دی تھی یہی تو کہا تھا کہ "بھلا جس کام میں خدا کی خوشنودی ہو اس میں کوئی ممانعت کہاں کر سکتا ہے۔"

تاہم سکوت سید سجادؑ کے مقابلہ میں یہ ایک بلند بانگ ہم آہنگی تھی۔ جسے کسی نے کچھ سمجھا کسی نے کچھ۔ امیر مختار اپنے انداز سے کام کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے سلیمان کے طریق کار اور اس کے انجام کو کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ عبداللہ ابن زبیر کی معیت میں بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔ لہذا انہوں نے اپنے مقصد کی کامیابی کے لئے بڑے احتیاط سے کام لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ان کے دعوؤں اور دعوت میں بہت حد تک تفاوت ملتا ہے۔

مختار کی کوشش آخری نہیں تھی۔ کربلا میں حسین کی شہادت بنو امیہ کی شاخ حربیہ کے اقتدار ہی کی موت نہیں تھی بلکہ یہ حکمیہ کی شاخ جو حربیہ کے سو کھنے پر بار آور ہوئی تھی اس کی بھی خشکی کا سبب ہو گئی۔ معاویہ بن یزید بن معاویہ تو تخت کو ناحق ستم کوشی کا مقصد سمجھ کر خود ہی اس سے دست بردار ہو گیا لیکن اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مروان ابن الحکم نے اس تھوہر کی شاخ کو سیب کا درخت سمجھ کر اپنا تو لیا مگر اس کے کانٹے حلق میں پھنس کر رہ گئے کیونکہ یکے بعد دیگرے مسلسل خروج ہوتے رہے۔ ایک تو عبداللہ ابن زبیر ہی نے بنی امیہ کے وقار کو اتنا صدمہ

پہنچا دیا تھا کہ یہ دیوارِ شکستہ کے مصداق بن کر رہ گئے تھے۔ پھر مختار کی کارروائیاں خوارج کے حملے اور خود سلاطین بنی امیہ کی بے راہ روی سب نے مل کر پون صدی کے اندر ہی اس دیوار کو ڈھا دیا اور ایک نئی حکومت سیاہ جھنڈوں کے سائے میں قائم ہوگئی۔ تاریخ نے سرخی قائم کی "عہد بنو عباس"۔

مگر یہ عباسی حکومت کا قصر بھی تو شہدائے بنی فاطمہ کے خون کے گارے سے تعمیر ہوا تھا۔ حضرت امام زین العابدین جب چالیس سال تک اپنے خاندان کے جواہر کو رو کر شہید مسموم ہو گئے تو آپ دوسرے صاحبزادے حضرت زید اپنے جد کا بدلہ لینے پر مجبور کئے گئے۔ دراصل بنی ہاشم کو مجبوری کے جس ماحول میں جینا پڑ رہا تھا وہ سخت دشوار تھا۔ حسینؑ نے عار کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی تھی، یہی سبق تھا جس پر اب بھی بنو ہاشم عمل کرنا چاہتے تھے۔ وہ حضرات جن پر امامت کی ذمہ داری عاید کی گئی تھی، جانتے تھے کہ جب تک تنظیم مکمل نہ ہو اس وقت تک کوئی تحریک پنپ نہیں سکتی۔ اس لئے وہ خود محتاط رہتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ جو تحریک ان کے نام سے چلائی جائے وہ شعلۂ مستعجل ثابت ہو۔ مگر طبائع یکساں نہیں ہوتے۔ اس تحریک میں بعض ایسے لوگ بھی شامل ہو جاتے یا بعض موقعہ پر سرگرہ خود اتنے جوشیلے واقع ہوتے تھے کہ ان سے زیادہ ضبط نہیں ہوسکتا تھا۔ دوسری طرف حکومت کے جاسوس "باغیوں" کی ٹوہ میں رہا کرتے تھے اس لئے کوئی

تحریک راز داری سے پنپ نہیں پاتی تھی لہذا یہ دیکھا گیا کہ آئے دن ایک جنگ ٹھنی ہوئی ہے۔ اسی خون ریزی کو روکنے کے لئے آئمہ طاہرین کے تقیہ کے احکامات پر سختی سے پابندی کرنے کی تلقین کی اور تقیہ کے پردے میں بقائے حیات صالح کے ثواب بیان کرنا شروع کئے۔ پھر بھی پر جوش جاں بازوں کا رکنا مشکل تھا۔ زید شہید ان کے فرزند یحییٰ ان کے پوتے عبداللہ اور اولادِ حسنؑ میں نفس ذکیہ وغیرہ اپنے اپنے وقت پر خروج کرتے رہے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ دوستان اہل بیت اور بنی ہاشم حکومت کی آنکھوں میں ہر وقت کھٹکنے لگے۔ اور خود شیعیان اہل بیت نیز بنو ہاشم کو اس کے سوا چارہ کار نہ رہا کہ وہ روپوش ہو کر اپنے حق کی ترویج جاری رکھیں۔ اسی روپوشی کو ارباب مذہب نے اپنی زبان میں تقیہ کہا جو بگڑتے بگڑتے یہاں تک قصداً شیعوں کو دنیا کی نظر سے گرانے کے لئے جھوٹ اور دروغ کا مرادف بنا دیا گیا۔ ورنہ فی الاصل اس کا منشا یہ تھا کہ لوگ حکومت کی نگاہ عتاب سے بچنے کے لئے ایسے طریق کار اختیار کریں کہ ان کے اعتقاد مقاصد اور عمل کی حقیقت کا علم نہ ہو سکے۔

اس تقیہ کا جہاں ایک فائدہ یہ ہوا کہ شیعوں کی مختلف تنظیمات کامیاب ہوگئیں وہاں ایک نقصان یہ ہوا کہ وحدت مقصد غائب ہوگئی جیسے کہ عموماً اس جماعت میں ہو جاتی ہے جو ایک عرصہ تک روپوش ہو۔ ہونا یہ تھا کہ مختلف لوگ فاصلوں

پر تقیہ میں زندگی گذارتے تھے۔ اور ایک دوسرے سے ربط قایم رکھنے میں بھی حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اِدھر جو امام ہوتا تھا وہ بھی کھلم کھلا دوسرے امام کے لئے نص نہیں کر سکتے تھے۔ باتیں بہت کچھ رمز و اشارے میں کہی جاتی تھیں لہذا قدم قدم پہ اندیشہ دامنگیر ہوتا تھا۔ اور مختلف گروہ اپنے اپنے محبوب قائد کو امام تسلیم کرکے اسی کے نام سے دعوت شروع کر دیتے تھے۔ ان میں جو دیانت دار ہوکر کسی بڑے قائد یا امام سے خلوص کے ساتھ وابستہ ہوتے وہ اس غلط فہمی کو دور کر دیتے ورنہ موقع سے فائدہ اٹھاتے۔ اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ امام حسین ع کے بعد سے ہر امام کے عہد میں مقابل کا ایک نیا امام بھی تاریخ میں ملتا ہے۔ مثلاً حضرت زین العابدین کے ساتھ محمد بن حنفیہ رضؓ۔ حضرت محمد باقر ع کے عہد میں حضرت زید شہید رضؓ۔ حضرت جعفر صادق کے زمانے میں آپ کے بھائی حضرت ذکریا۔ اور حضرت نفس ذکیہ۔ حضرت امام موسیٰ کاظم کے زمانہ میں حضرت اسمٰعیل بن جعفر یا ان کے فرزند حضرت محمد بن اسمٰعیل وغیرہ ذالک۔ میرے اس دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ اسی دور میں مسئلہ امامت میں اختلاف ہے۔ جب حکومت کا جبر بہت بڑھ گیا اور ایک امام اپنی شہادت کے وقت دوسرے امام کے متعلق واضح نص نہیں کر سکا۔ بہرصورت یہاں کوئی صاحب بڑھ کر مجھ سے سوال کر سکتے ہیں کہ جو عقاید و اصول میں فرق پیدا ہو گیا اسکی تاویل کیا ہو سکتی ہے، تو اس کے لئے بھی یہی ایک وجہ ہے۔ تقیہ پر شدت

کے ساتھ پابند ہونے کی وجہ سے اور سیاسی جبر کی بنا پر لوگ عقاید پر کتابیں نہ لکھ سکے اور جو کتابیں لکھی گئیں وہ عوامی دسترس سے باہر رہیں ۔ جو خاص لوگ تھے انھیں زندگی کو سنبھالنے سے ہی فرصت نہ ملتی تھی ادہر ان مجاہدوں کے معتقدوں میں باطل پرستی کا جذبہ بڑھتا جاتا تھا۔ جس سے وہ اپنے دل پسند اوصاف اپنے آئمہ سے وابستہ کرکے اپنے آئیڈیل کو پورا کرتے تھے ۔ دوسری طرف ایران، ہند اور روم ویونان سے فلسفہ اور مابعد الطبیعات کے بعید از قیاس بیباک نوادر عصر کے افکار سے مترشح ہو کر عوام کے ناپختہ دماغوں تک پہونچ رہے تھے لہذا عقاید میں خلط ملط ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ نہ لوگ جو اپنے آئمہ سے وابستہ رہ سکے اور سیاسی اقتدار کی جدوجہد میں آگے نہیں بڑھے اُن کے عقاید میں خلوص برقرار رہ گیا، اور نہ الوہیت علوی اُن کے ہاں پیدا ہو سکی، نہ ذات و صفاتِ الہٰیہ کی معرفت میں وہ ایسے دخیل ہو سکے جو آئمہ سے دور رہے اور اُن کے داعیوں سے بھی بالراست متوسل رہ کر استفاضہ نہ کر سکے وہ اپنے عقاید کو آمیزش سے نہ بچا سکے ۔ کچھ مقامی مذہبی روایات شامل ہو گئیں مگر اتنی نہیں جتنی کہ مصنفین ملل و نحل نے بیان کی ہیں۔ شہرستانی ہوں یا ابن حزم یہ لوگ ایک مخصوص نقطۂ نگاہ کے مالک تھے ۔ اور یہ ان کی تحریر کا خاصہ ہے کہ وہ جب دوسروں کے معتقدات سے بحث کرتے ہیں تو اس میں بہت کچھ اپنی طرف سے ملا دیتے ہیں یا اپنے استدراک

کو اپنے مخالفین کا اصول مذہب بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔ شیعوں کے معاملہ میں ایک قصور ان سے اور ہوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ مختلف فرقوں کے عقائد کو انھوں نے کل اہل تشیع کے سر منڈھ دیا ہے۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں ورنہ کچھ مثالیں ضرور پیش کی جاتیں۔

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مجبوری کی زندگی جو تقریباً تین صدی تک آل محمدؐ نے گذاری اس کا نتیجہ یہی ہونا تھا کہ پراگندگی پیدا ہو جائے۔ دنیا میں کوئی قوم کبھی تلوار کے سائے میں رہ کر اپنی زندگی کا مقصود نہیں پا سکتی، اور نہ نیک نام رہ سکتی ہے۔ پھر جب حکومت وقت کو سکون اور طوائف الملوکی دونوں عالم میں کسی ایک خاص فرقہ سے اندیشہ لگا رہے تو اس فرقہ کی زندگی حرام ہی کر دی جاتی ہے اُسے بدنام کر دیا جاتا ہے۔ جیسے ابھی چند دنوں کی بات ہے کہ مدراس میں پانی نہیں برسا تو لوگوں نے کہا یہ کمیونسٹوں کی شرارت ہے، اور بہار میں ریل گاڑی پٹری پر سے اتر گئی تو اس کے لئے بھی کمیونسٹوں کو الزام لگایا گیا۔ یہی حالت اس زمانہ میں شیعوں کی تھی۔ کیونکہ یہی وہ جماعت تھی جو کسی بھی قسم کی دنیاوی بادشاہت کو خواہ وہ نسلی ہو یا تغلبی یا جمہوری برحق نہیں تسلیم کرتی تھی۔ اس کا عقیدہ تھا کہ حکم دینا صرف اللہ کو زیبا ہے، اس نے اپنے احکامات قرآن مجید میں مرتب کر دیے ہیں ان کے نفاذ کا کام اور طریق عمل حضرت سرور کونین نے کر دی اب زمانے کا

لحاظ کرتے ہوئے انسان کو اس پر کاربند رکھنے کے لئے امام کی ضرورت ہے، جو نبی ہی کی طرح منصوص من اللہ ہونا چاہیئے۔ اس اعتبار سے پیغمبر پر نص بالراست خدا کی طرف سے ہوتی ہے اور پیغمبر خدا کے حکم سے امام کے لئے نص کرتا ہے، آنحضرت نے حضرت علی کے لئے غدیر خم پر نص واضح و قطعی پیش فرمادی تھی اس کے بعد سے سب آئمہ اپنے بعد کے امام کے لئے نص کرتے چلے آئے ہیں یہ نص امام ہو یا پیغمبر کسی کے لئے اپنی مرضی سے نہیں کرسکتا اور نہ ایک بار نص کرکے اُسے بدل سکتا ہے۔ کیونکہ منصوص خدا کی طرف سے چنا جاتا ہے جسکی پہچان خاص نشانیوں اور عصمت و علم و سعادت سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انتہائی شورش کے عالم میں بھی آئمہ کا سکون و سکوت اور حکومت الٰہیہ کی تاسیس یا تجدید کی کوشش میں آئمہ کا ظاہرہ تامل ان کے شیعوں کے اعتقاد متزلزل نہیں کرسکتا تھا۔ اور وہ اپنے امام کی محبت میں دنیا کے مصائب اور حکومت کا عتاب خندہ پیشانی سے برداشت کرلیتے۔ امام کے اشارے پر وہ تقیہ کی زندگی بسر کرتے تھے، مگر بعض اُن میں سے ایسے بھی ہوتے تھے جن سے توقف برداشت نہیں ہوتا تھا اور وہ موجودہ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ مگر دیکھا گیا ہے کہ ان کے جنگ و جدال اور اُن کے مرمٹنے سے دوسروں کو ہی فائدہ ہوتا تھا۔ چنانچہ یحییٰ بن زید بن علی بن حسین علیہم السلام کی شہادت سے فائدہ اٹھا کر بنو عباس نے اپنی مہم کو

کامیاب بنالیا۔ جس میں کام کرنے والے ابوسلمہ اور ابومسلم خراسانی دونوں اہلبیت کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ اور منصور وسفاح دونوں ان لوگوں کو دہوکہ میں رکھے ہوئے تھے۔ جب کامیابی ہوگئی تو اہل بیت کو نظرانداز کرکے جوڑ توڑ سے اپنی خلافت قایم کرلی۔ جس کا ثبوت یہ امر واقعہ ہے کہ منصور دوانیقی وہ پہلا شخص تھا جس نے نفس ذکیہ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی اور اسی نے ان کو شہید کرایا اور آل محمد یعنی اولاد حسین وحسن علیہما السلام کو تباہ وبرباد کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

یہاں میں اپنے مطالعہ کا ایک حاصل اور پیش کردینا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ نسل امام حسین سے جو امام منصوص ہوتے تھے وہ سیاست زمانہ کے پیش نظر خروج کرکے اپنی خاموش تبلیغ حقایق اسلامی کو جو ذاتی مفاد سے کہیں اہم چیز تھی معرض التوا میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے، اس لئے اکثر ایسا ہوا کہ جوان کے جوشیلے دعاۃ ہوتے وہ کسی نہ کسی شخصیت کو میدان عمل میں نمودار ہونے کے لئے انتخاب کرلیتے اور وہ اپنی اہمیت کے پیش نظر عوام میں امام کی حیثیت اختیار کرجاتے۔ اگر اس مقدمہ کو میرے پہلے مقدمہ سے ملاکر رکھئے یعنی تقیہ کی بناپر نص امامت بھی اشارۃً ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ ہر وقت یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ اگر آیندہ کے لئے برسرعام کسی کی امامت کا اعلان کردیا جائے تو اس ہونے والے

امام کی شہادت کا اس وقت سے پہلے ہو جانا یقینی تھا ۔ جبکہ وہ امامت کے منصب پر فائز ہوتا۔ تو آپ کی سمجھ میں مختلف سلسلہ آئمہ کا پیدا ہو جانا نہایت واضح ہو جائے گا۔

یہی امر واقعہ ہے جس نے حضرت امام جعفر صادق کے بعد باقاعدہ امامت کے دو سلسلہ چلا دیے، ایک اثنا عشری اور دوسرے اسمٰعیلی یعنی ایک سلسلہ امام موسیٰ کاظم سے چل کر حجۃ آخرالزماں پر ختم ہوا، اور دوسرا حضرت اسمٰعیل سے چل کر ایک طرف تو حضرت طیب پر آ کر ختم ہوا جو بعقیدہ مستعلیہ طیبہ (آج کے زمانہ میں بواہر) امام غائب ہیں اور انھیں کی اولاد میں سے آخرالزماں ہوں گے، اور بعقیدۂ نزاریہ (یعنی خوجہ آغا خانی) ہز ہائنس آغا خاں کی صورت میں اب تک جاری و ساری ہے۔ میرا مطالعہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں اس مسئلہ کو اس طرح پیش کروں کہ بنو عباس کی خلافت کے قیام نے فاطمی سلسلہ امامت کے دلدادوں کو مجبور کر دیا کہ وہ عباسیوں کی بھی بیخ کنی کریں کیونکہ سفاح کے بعد منصور نے بنی فاطمہ پر جو مظالم شروع کئے اُن سے اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ بنو ہاشم کی یہ شاخ اپنے ہی اعمام کی ایک ایک فرد کو ختم کر کے رہے گی۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے سراسیمہ ماموین و مامورین کو خلافت موجودہ کے آہنی پنجے میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے اس لئے خاموش تھے لہٰذا ایک جماعت نے جو اپنے مسلک کو اسی امر پر

مبنی کر دیا تھا کہ صرف بنو فاطمہ کی امامت و خلافت ہو گی اُن کی پالیسی سے اتفاق نہیں کر سکتی تھی۔ لہٰذا اس کے لئے انسب یہی تھا کہ وہ آپ کے سوا کسی دوسرے کو امام بنائے۔ ایک نے حضرت افطح برادر اکبر حضرت موسیٰ کاظم کو امام سمجھا۔ دوسرے نے حضرت اسمٰعیل کی امامت کو باوجود اس امر کے کہ وہ حیات امام جعفر صادق علیہ السلام میں وفات پا چکے تھے امام تسلیم کر کے ان کے بعد حضرت محمدؔ مکتوم کو اپنا امام بنا لیا۔ بعض روایات ہیں ایسی ملتی ہیں جن سے حضرت محمد مکتوم اور حضرت موسیٰ کاظم میں باہمی آویزش کا پتہ چلتا ہے۔ مگر جب ہم ان کو اسمٰعیلی روایات سے ملا کر دیکھتے ہیں تو ان کا ثبوت نہیں ملتا۔ یہاں تک بوہرے حضرت موسیٰ کاظم کو مدعی امامت نہیں سمجھتے اور آپ کے روضے پر زیارت کے لئے برابر تشریف لے جاتے ہیں۔ باہمی شکر رنجی کی روایات جو مذکور ہیں وہ میری دانست میں دخیل ہیں اور اس پراپیگنڈے کا ایک جزو جو عباسیوں نے فاطمئین کو آپس میں لڑانے کے لئے جاری کر رکھا تھا۔

غرضکہ حضرت محمد مکتوم نے خفیہ تگ و دو بنو فاطمہ کی خلافت و امارت کے لئے جاری کی اور نہایت شد و مد کے ساتھ حضرت عبداللہ الرضی۔ پھر حضرت احمد الرضی (یا احمد مستور) پھر الحسین التقی اور آخر میں عبید اللہ المہدی نسلؔ بعد نسلؔ اس جد و جہد کو خفیہ طور پر لے کر آگے بڑھتے گئے یہاں تک حضرت عبید اللہ المہدی

افریقیہ میں حکومت بنی فاطمہ قایم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اوپر کے سلسلہ کو اگر گن جائیے اور القاب پر نظر ڈالئے تو آئمہ اثنا عشر اور آئمہ اسمٰعیلی مستورین کی نہ صرف تعداد بارہ بارہ نکلتی ہے۔ بلکہ بعض حالات میں ان کے القاب میں بھی مناسبت ہے جس سے یہ گمان بے جا نہیں ہوسکتا کہ روپوشی کی بنا پر حامیان بنی فاطمہ کے لئے شخصیات کی اہمیت سے اُن صفات کی اہمیت زیادہ تھی جنکی حامل ذوات کو وہ حکومت الٰہیہ کا حاکم اعلیٰ بنانا چاہتی تھیں۔ حدیث رسول میں بھی یہ مذکور تھا کہ آئمہ اثنا عشر میں پہلا علی اور آخر مہدی ہو گا۔ اس لئے یہاں بھی آئمہ کی ابتدا علی ابن ابی طالب سے ہوئی اور عبید اللہ المہدی پر پہلا سلسلہ ختم ہوا۔ دوسری حدیث جس میں اسماء کا ذکر ہے تو یا تو اُسے اسماعیلیہ نے اہمیت نہیں دی یا پھر جیسے عہد مستور میں سب ہی باتیں چھپائی جاتی تھیں آئمہ کے اسماء بھی چھپا لئے گئے ہوں۔ اور اسوقت جب عبید اللہ المہدی کے زمانے میں اُن کا اظہار کیا گیا تو مختلف روایات میں مختلف نام نظر آئے۔ یہاں تک کہ المہدی کا شجرۂ نسب بھی موضوع بحث بن گیا۔ جو کچھ بھی ہو حدیث نبوی کی رعایت مدنظر ضرور تھی اسی لئے جب عبید اللہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور ظاہر بہ ظاہر خروج کیا۔ اور اپنا لقب مہدی اختیار کیا۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ عبید اللہ المہدی کی ولادت سنہ ۲۶۰ھ کی ہے۔ اور یہی سنہ بعقیدۂ اثنا عشریہ اُن کے آخری امام کی غیبت صغریٰ کی

کی ابتدا ہے۔ اس لحاظ سے جب مہدی نے خروج کیا یا بزبان اسمٰعیل دورستر ختم کرکے دورکشف شروع کیا تو ان رعایات کا بہرصورت لحاظ کرنا چاہا جو ان اخبار ظہور مہدی میں مذکور ہوئے تھے جو رسالت مآب سے منسوب ہیں۔ ہاں واضح رہے کہ مذکور بالا سے میری مراد یہ نہیں کہ اسمٰعیلی اور اثنا عشری سلسلہ آئمہ کے افراد ایک ہی تھے۔ صورت جو کچھ بھی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ آئمہ شیعہ کا ایک بزرگ سلسلہ جب آخرالزماں کی روپوشی پر ختم ہوا تو بنو فاطمہ کے ایک دوسرے بزرگ سلسلہ کو تاسیس خلافت وامارت میں کامیابی ہوئی۔ اور اس نے ایک بار عباسیوں کی عظمت کو بھی تنزلزل کردیا، یہ دور علوم کی ترویج اور شعائر اسلامی کی تعظیم کا ایک شاندار زمانہ ہے۔ اس کا عروج علوم اہلبیت کی ترویج کا عروج ہے۔ اور قریب قریب تین سو سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران میں جو کتابیں عقاید وفقہ، تفسیر وتاویل میں لکھی گئی ہیں ان میں خاص اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تک جو روایات مسلسل ہوں انھیں کو صحت کا درجہ دیا جائے۔ اور اسی بنا پر اثنا عشریہ اور اسمٰعیلیہ کے علوم کی روح ایک ہے۔

دنیا میں عروج وزوال کا سلسلہ جاری ہی رہتا ہے، فاطمی امارت کے عروج پر پہونچتے ہی شکست وریخت کے آثار پیدا ہونا شروع ہوگئے اور ابوتمیم المستنصر باللہ کے عہد میں اس عظیم خاندان میں ایک بار پھر شدید اختلاف نقص امام کے بارے

میں پیدا ہوگیا، اور اتفاق سے یہ زمانہ بھی آشوب کی ابتدا کا تھا۔ عباسیوں کی مخالفت زوروں پر ہوگئی تھی اور فاطمیین کے ہاتھوں سے حلب وغیرہ کے علاقے نکلے جارہے تھے۔ افراتفری کا دور شروع ہوگیا تھا۔ خود دربار میں جاسوسی شروع ہوگئی تھی۔ اسی سیاست کے پیش نظر المستنصر اپنے جانشین کے لئے کوئی واضح نص نہیں پیش کرسکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے بیٹے حضرت نزار اور چھوٹے بیٹے حضرت مستعلی باللہ میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ یہاں یہ بات کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ واضح نص سے میری مراد ایک ایسی نص ہے جس پر بعد میں اختلاف نہ ہوں۔ اور اس کا تعین شواہد کے ذریعہ نہ ہو۔ حضرت مستعلی باللہ اور نزار کے بارے میں یہی ہوا حضرت نزار ایک علاقہ پر قابض ہوگئے اور اپنی سازش میں یہاں تک کامیاب ہوگئے کہ حضرت مستعلی باللہ کو قتل کرادیا۔ ان کے بعد حضرت آمر باحکام اللہ بن مستعلی تخت نشین ہوئے۔ مگر اب سیاست نے ایسا رُخ اختیار کیا کہ اُنکے بھائی نے تخت سنبھالا اور یہی خواہان نسل آمر کو ان کے ۷ ماہ کے بیٹے حضرت ابو القاسم طیب کو چھپا دینا پڑا۔ جو بعد میں امام طیبؑ کے نام سے پکارے گئے۔ اور نئے دور ستر کے بانی ہوئے۔ اور بنو فاطمہ کا اقتدار مصر میں ۵۰ سال کے اندر صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ حضرت ابو قاسم طیب کے بعد سے ایک داعیوں کا سلسلہ شروع ہوا جو پہلے یمن میں تھا پھر ہندوستان آگیا۔ آج اس دعوت کی بھی دو

شاخیں ہیں۔ ایک سلیمانی دوسرے داؤدی جس کے داعی مطلق سیدنا ابی محمد طاہر
سیف الدین کے رشحات قلم کا یہ مجموعہ آپ کے عربی تصنیفات سے منتخب کردہ
شہادت امام حسین سے متعلق آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

یہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ عہد استبداد میں شیعیان آل محمد کو اپنے
عقاید و علوم تو ایک طرف رہے اپنی زندگی اور شخصیت تک کو راز رکھنا پڑتا تھا
یہی سبب ہے کہ ان کے تصنیفات جو دوسرے فرق کی تصانیف سے کسی طرح بھی
کمتر نہیں کیے جا سکتے منظر عام پر نہیں آسکے۔ دعوت اور تبلیغ زیادہ تر زبانی ہوتی
تھی۔ اور اگر کوئی بات کتابی بھی ہوتی تو کتاب چھپا کر رکھی جاتی کیونکہ ان خلافت الہیہ
کی تاسیس۔ ان کے قوانین کے اسرار و غوامض سب ہی ہوتے تھے۔ جو دوسروں
کے ہاتھ میں پڑکر دی حیثیت اختیار کر لیتے جو اپنی تلوار دشمن کے ہاتھ میں جاکر اختیار
کرتی۔ جب فاطمیین کی دولت کا قیام ہوا تو ایک طرف اُن علوم کا چرچا
ہوا جو اُن کے سلسلہ میں پہونچے تھے۔ اور دوسری طرف جب فتنۂ ہلاکو کے
بعد شیعوں کو راحت کی سانس لینا نصیب ہوئی تو ادھر بھی تصانیف و تالیف کا
بازار گرم ہوا۔ مگر اب اسمٰعیلی اور اثنا عشری ایک دوسرے سے اتنی دور ہو گئے
تھے کہ ایک شجر کی دو شاخیں ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے قریب نہیں
جاتی تھیں۔ اس کا دوسرا سبب یہ تھا کہ زوال فاطمیین مصر کے بعد ادھر ادھر

بنی نزار کے خاتمہ کے بعد اسمٰعیلیوں پر بہت سخت زمانہ آگیا تھا اس لئے انھوں نے اپنی عام تصانیف کو بھی چھپا دیا تھا خاص تصانیف تو کبھی مرکزِ عام پر لائی ہی نہیں گئیں۔ اور اس زمانے کے بعد ہی اثنا عشری کو اپنی تبلیغ کا موقعہ ملا۔ لہذا باہمی استفادہ ناممکن ہو گیا۔ آج وہ زمانہ نہیں ہے اب نگاہوں میں وسعت آگئی ہے اور لوگ مخالفین کی باتوں کو بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ حکومتیں لادینی ہیں یعنی کسی مذہب کی پابند نہیں ہیں۔ اور محکوم کو آزادی ہے کہ وہ اپنے مذہبی عقاید کی ترویج کرے لہذا چند ادارے قایم ہو گئے جو اپنے پوشیدہ تصنیفات کو شایع کر رہا ہے، آغا خانی جماعت کی کتب کے لئے تو مسٹر الیوانوف بہت بڑا کام کر رہے ہیں سلیمانی بوہرہ کے تالیفات مسٹر فیضی بار ایٹ لا شایع کر رہے ہیں۔ اب تک صرف داؤدی بوہرہ ایک جماعت ایسی تھی جو آج بھی اپنی پرانی روایت پر قایم رہنا چاہتی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اب مسلمان سمجھے جائیں۔ عقاید میں یہ عقاید کی مختلف نہریں الٹ کر اس طرح چلیں کہ بالآخر اس واحد دھارے کی صورت اختیار کر لیں جس کا منبع ذات رسالت مآب تھی۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ ایک فرقے کے لوگ دوسرے فرقے کی کتابوں کو خذ ما صفا کے اصول پر پڑھے اور اختلافات مٹائے۔ اسی بناء پر میری توجہ حضرت سیدنا مذکور الصدر کی تصنیفات پر پڑی اس میں سے بھی میں نے اس ہستی کے تذکرے کو اپنا لیا جو مسلمانوں

کے کسی فرقے کے لئے اجنبی نہیں ہے، چونکہ موصوف نے اعزالمجالس کو جس کا جزو اس کتاب کا جزو آخر یعنی مقتل الحسین ہے پورے کا پورا شایع کرنے کی اجازت نہیں دی، کیونکہ اس میں بہت سی باتیں مخصوص ہیں فرقہ داؤدی بوہرہ کے لئے اور صرف انھیں باتوں کے انتخاب کی اجازت دی جن کا تعلق صرف ذکر حسین سے تھا۔ اور یہ سب ملا کر ایک چار جزکا رسالہ ہوتا تھا اس لئے میں نے چاہا کہ اس کتاب کو ایک ایسے انداز میں ترتیب دوں جو سیدنا مدظلہ کا خاص انداز ہے۔

آپ اپنے رسالہ رمضانیہ میں سب سے پہلے حمد پھر نعت پھر منقبت پھر قصیدہ۔ پھر ایک دعا جو آئمۂ طاہرین سے منسوب ہوتی ہے۔ پھر نجی دعا پیش فرماتے ہیں۔ بعد ازاں اپنا تعارف پیش کرکے کچھ اقتباسات جناب امیرؑ کے خطبات سے کچھ اخوان الصفا کے رسائل سے جو حضرت احمد مستور علی اللہ مقامئہ کی تصنیف ہے، کچھ دوسرے دعاۃ اسمٰعیلی کے تصانیف سے اپنے رسالہ کو زینت دیتے ہیں۔ بعد ازاں مسائل دعوت کا بیان فرماتے ہیں، اور جو کچھ کہنا منظور ہوتا ہے اسے پیش کرنے کے بعد دعا پر کتاب کو ختم کردیتے ہیں۔ میں نے اس کتاب کو اسی انداز پر ترتیب دیا اور مختلف کتب سے اقتباسات لے کر لوازمات کو پورا کیا۔

اس ساری محنت کا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ اسے پڑھیں اور حسین کے شیدائیوں کے اس فرقے کو اجنبی نہ سمجھیں اپنا بھائی سمجھ کر ان کو اپنے ساتھ لیں اور اس فوج کی تعداد میں اضافہ فرمائیں جو حق کی ترویج کے لئے مخصوص کی گئی ہے، جس فوج کا ایک بڑا سردار ستاون سال کی عمر میں ایک چھوٹے سے قافلے کے ساتھ ریگزار کربلا پر آیا تھا۔ جس نے بقائے حق کے لئے تلوار کا پانی پی لیا۔ جس نے اپنے نوعمر بھتیجے سے پوچھا "قاسم! جان عم تم موت کو کیسا سمجھتے ہو" اور قاسم نے کہا میں تو اسے شہد سے زیادہ شیریں تر سمجھتا ہوں، آپ اجازت دیں تو اسکی حلاوت ابھی چکھ لوں" پھر واقعی موت کا جام پی کر بقائے دوام حاصل کر لی اور ثابت کر دیا کہ موت شیریں ہے ان کے لئے جو حق پر مرنا جانتے ہیں۔ پھر اس بوڑھے سردار نے آپ کو آواز دی تھی هل من ناصر کہہ کر اور آج بھی آپ اسکی صدا پر لبیک کہتے ہیں۔ اب زمانہ قریب ہے کہ آپ کے خلوص کا امتحان لیا جائے۔ اور یالیتنی کنت معک کے معنی تلوار کی زبان سے پوچھے جائیں۔ اس کے لئے آپ کو تیار رہنا چاہیے کیونکہ موت ایک دیوی ہے اس کے لئے جو بستر راحت پر دم توڑنا چاہتا ہے۔ اور ایک محبوبۂ حیات افزا ہے اس کے لئے جو اس سے ہمکنار ہونا چاہے۔

واخر دعونا واللہ علیم الخبیر

محمود سرودش

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵

تمام تعریفیں اُس خدا کے لئے ہیں جس کے سوا کوئی اور خدا نہیں، جو چھپی ہوئی اور دیکھی جانے والی باتوں کا یکساں جاننے والا ہے، جو بخشایندہ و بخشایش گر ہے، وہی ایک خدا ہے اُس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہ پاک بادشاہ ہر ایک عیب سے بری، بڑا ہی امن دینے والا بڑا ہی نگہبان بڑا ہی قابو رکھنے والا۔ ہر اس امر سے الگ جو اس کے شایان شان نہیں۔ برگزیدہ ہے وہ اس سے جس میں لوگ اُسے شریک کرتے ہیں۔ وہی اللہ جو بغیر کسی نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے بنانے والا ہے،

روپ دینے والا ہے، اسی کے لئے نیک نامی ہے، آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے اسی کے گن گانے میں مصروف ہے، اور وہ تو سب سے دانشمند ہے، لہٰذا صبح و شام اللہ کو یاد کرتے رہو۔ اور آسمانوں اور زمین میں تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔ ڈھلتی ہوئی رات میں بھی، چڑھتے ہوئے دن میں بھی، وہی بے جان چیزوں میں سے جاندار چیزیں پیدا کرتا ہے اور وہی جانداروں میں سے بے جان کو نکال لیتا ہے، زمین کو بنجر ہو جانے کے بعد پھر شاداب کر دیتا ہے، ایسا ہی تمہارے ساتھ بھی ہوگا۔ اللہ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے قیام گاہ بنایا۔ اور آسمانوں کو سائبان قرار دیا۔ تمہیں روپ دیا ایسا کہ تمہارا روپ سب سے اچھا ہے، پاک چیزوں میں سے تم کو روزی دی۔ ایسا ہے تمہارا پالنہار اللہ۔ لہٰذا تمام دنیا کے پالنہار کی بڑائی کرو۔ اسی لئے اس کی حمد میں بھی اسے آسمانوں کا مالک، زمین کا بادشاہ سارے جہان کا پروردگار کہا جاتا ہے۔ زمینوں اور آسمانوں میں بڑائی صرف اُسی کے لئے ہے کہ وہ سب سے برتر اور دانشمند ہے۔

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے ان فرشتوں کو پیدا کیا جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور عرش کے گرد ہو کر اس کی

تعریف وتوصیف سے اسکی تسبیح کرتے ہیں، اس کی خدائی کا اقرار کرتے ہیں اور مومنین کے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں۔ یہ کہہ کر کہ اے ہمارے آقا تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔ لہٰذا بخشدے ان لوگوں کو جو پچھتا رہے ہیں اپنے گناہوں پر اور جو تیرے راستہ پر چل رہے ہیں۔ ان کو جہنم کی آگ سے بچالے۔ اے ہمارے آقا ان کو اس بہشت میں داخل کر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ ان کے نیک سیرت باپ دادا اور بیوی بچوں کو بھی بہشت میں جگہ دے۔ اور یہ تو حقیقت ہے کہ تو سب سے برتر اور دانا ہے۔ انکو گناہ کرنے سے بچالے۔ اور جسکو تو نے گناہوں سے بچالیا کل اس پر اپنی رحمت بھی نازل کرے گا۔ یہی تو ان کی سب سے بڑی تمنا ہے۔

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے قرآن اتارا۔ وہ قرآن جس میں ایمان لانے والوں کے لئے صحت اور بخشش ہے، اس خدا کیلئے جو زبردستی کرنے والوں کا صرف نقصان بڑھاتا ہے، ایمان لانے والے مردوں اور عورتوں کی بخشش کرنے والا ہے اور زبردستی کرنے والوں کی تباہی بڑھاتا ہے، جس جگہ پاک پروردگار نے کہا ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝ (اور جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ تم رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن

کیا چیز ہے، کیا تم جس کے لئے کہو ہم اسی کو سجدہ کرنے لگیں۔ اور ان کی نفرت بڑھ جاتی ہے)، وہاں وہ ایک بخشائیش گر کے حضور میں سجدے ادا کرنے کا حکم دینے والا ہے۔ اس قرآن مجید کے تمام بیانات میں لوگوں کو ایک مرجع دیدیا گیا ہے، جس کی طرف سوائے ان کے جو ناشکرے ہیں سب ہی لوگ رجوع ہوتے ہیں۔ اس ہستی کی یاد تو ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ بھی زمین کے اندر ہے سب ہی کرتے ہیں۔ اور کسی چیز کی حیثیت نہیں بن سکتی جب تک کہ اس کے گن نہ گائے مگر تم لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس کا سمجھنے والا تو یقیناً وہی باوقار بخشنے والا ہے۔

ہم تعریف کرتے ہیں اس بزرگ پروردگار کی جس نے پیدا کیا ہم کو تعریف کے ساتھ تسبیح کرنے والوں میں۔ اس احسان واکرام کے شکر گذاروں میں جو ہمارے حال پر یوں کیا گیا کہ ہم کو نجات کی کشتی میں سوار کرادیا یہ نجات کی کشتی بھی تو اسکی ایک نعمت ہے، اس نے ہم کو پیدا کیا ایسی تسبیح کرنے والوں میں جو اس کے ناموں کے ورد سے کی جاتی ہے۔ اور جو اس کے سارے ناموں کے ورد میں کامیاب ہو گیا اس کو جنت میں داخلہ دیکر بلند مرتبت بنا دیا جاتا ہے۔ جس نے ہم کو پیدا کیا ہدایت یافتہ مرسلین کے نقش قدم پر چلنے والوں میں اور اس شخص سے نصیحت پانے والوں میں جو ایک

فاصلہ سے کوشش کرکے مدینہ میں آیا جس نے پیدا کیا ہم کو امانت داروں میں
جو پروردگار کے ایسے بندوں کی یادگار کے امین ہیں جو اس کے رسول کی پیروی
سب سے زیادہ کرتے رہے ہیں۔ اور نافرمانیوں سے بچتے رہے ہیں۔ جس
نے ہم کو پیدا کیا ان احکامات پر عمل کرنے والوں میں۔ جس نے ہم کو پیدا کیا
اسماء حسنیٰ کے ذریعہ اس جہنم سے پناہ مانگنے والوں میں جو سوا بدبختوں کے
کسی اور کو نہیں ملتی۔ اور سوا پرہیزگاروں کے کسی اور کو نہیں چھوڑتی، اور
بہشت کی نعمتوں میں سے تو ان کو ملیگا جن عبادت گذاروں سے اس بخشنے
والے نے وعدہ کیا ہے۔ جن کو پوشیدہ رکھ کر اس نے پائندہ کر دیا ہے،
صبح سے شام تک ہم اس پاک پروردگار کی تعریف مسلسل کیا کرتے ہیں اسی کو
سجدہ کرتے ہیں اور لمبی راتوں میں بھی اسی کو یاد کیا کرتے ہیں۔

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس کی تسبیح میں ہر وہ چیز مصروف
ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہی پاک بادشاہ ہے وہی سب سے
بڑھ کر دانشمند ہے، اسی نے آسمانوں اور زمین کو اپنے علم کے گھیرے میں
لے لیا ہے، اور ان کی نگہبانی کرنے سے وہ نہیں تھکتا۔ وہ بہت ہی بزرگ
و برتر ہے، ہم اسکی تعریف کرکے اس کی عبادت کرتے ہیں، اس کی تسبیح اس
طرح کرتے ہیں جسطرح وہ فرشتے جو اس سے بہت قریب ہیں۔ جس طرح

اس کا نورانی لشکر اسکی تسبیح کرتا ہے جس طرح اس کے بے ریا بندے اسکی تسبیح کرتے ہیں اور جسطرح اس کے اولیاء کے مخلص غلام اسکی تسبیح کرتے ہیں۔ اس کے لئے ہم ایسی عبادت کرتے ہیں جیسی اس کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ نے سکھائی ہے۔ ہم سچائی ثابت کرتے ہیں اس بزرگ و برتر خدا کے اس قول کی کہ وان من شئ الا یسبح بحمدہٖ (بالتحقیق کوئی ایسی چیز نہیں جو عبادت خدا اسکی تعریف سے نہ کرتی ہو) ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک کوئی خدا نہیں سوا اللہ کے جو اپنی بے مثالی کی بناء پر یکتا ہے اور اپنی پاکیزگی کی بناء پر یگانہ ہے، کوئی خدا نہیں بجز اللہ کے، اس بات کی گواہی ہم اُن لوگوں کے ساتھ مل کر دیتے ہیں جو لوگ اپنے گناہوں کی معافی اس طرح چاہتے ہیں جو معافی چاہنے کا ڈہنگ ہے۔ جو اسکی عبادت کرنے سے تھکتے نہیں جیسے کہ عموماً تھکن ہو جایا کرتی ہے، اور الگ تھلگ رہتے ہیں، اس سے جو بڑائی جتانے کے لئے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہتا ہے اور اپنے کو بڑا سمجھنے لگتا ہے۔ نہیں ہے کوئی خدا سوا اس کے جو ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ہمیشہ برقرار رہے گا۔ جس پر غنودگی طاری ہوتی ہے نہ نیند۔ اسی کے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے جو کچھ کہ زمین میں ہے۔ ہم بغیر کسی ملاوٹ کے اسکی گواہی دیتے ہیں اسی سے کامرانی کے اُمیدوار ہیں اور قیامت کے دن امید ہے کہ وہی چھٹکارا

دے گا۔

اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا جس سے خوشنما باغات سرسبز و شاداب ہوئے، کتنے فرحناک ہیں یہ گلزار کہ ان کی طرف دیکھنے سے روح تازہ ہوجاتی ہے، اور یہ سراپا زبان ہیں اپنے بلند مرتبت پروردگار کا شکر ادا کرنے میں ہر اس لہجہ میں جس میں دنیا کے بولنے والے بولتے ہیں۔

اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے زمین کو رہنے کے قابل بنایا اور اس کے اردگرد نہریں جاری کیں۔ اس کے لئے پہاڑ بنائے، اور دو دریاؤں کے بیچ میں آڑ رکھدی، اور انسان کو ایسا پیدا کیا کہ وہ زور آور بھی ہے توانا بھی کمزور بھی نادار بھی۔ اور نور ہدایت کو پورا کرنے کا جو وعدہ اس نے کیا تھا اُسے پورا کیا اگرچہ ناشکرے ناک بھوں چڑھاتے رہے۔

اور تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جسے بے چین رہنے والا جب پکارتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے اور اس کے صدمے کو دور کردیتا ہے اور اندھیرے کو روشن کرتا اور روشنی کو پھیلاتا ہے اور دنیا میں اپنے نیک بندوں کو اپنا جانشین بناتا ہے اور آخرت میں ان کو سفارش

کرنے والا ٹھہراتا ہے اور خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راستہ دکھلاتا ہے، اور اپنے پر اثر کلمہ کے ذریعہ جادو جوتش کی لپک سے پناہ مانگنے والوں کو پناہ دیتا ہے۔ اور اپنی رحمت سے پہلے بشارت کی ہوائیں چلاتا ہے اور اپنے باایمان پر دانائی کی مسلسل بارش کرتا ہے خلق کو پیدا کرتا ہے، پھر فنا کر دیتا ہے، جو مناسب سمجھتا ہے کرتا ہے اور جس بات کا چاہتا ہے حکم دیتا ہے جسمیں کمی کرتا ہے اس میں بڑھتی نہیں ہوتی جس میں بڑھاتا ہے اس میں گھاٹا نہیں ہوتا۔

اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم کو سچی دلیلوں والا بنایا اس دن کے لئے جب کہا جائے گا ھَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو) اس نے ہمیں پیدا کیا ایسے بولنے والوں میں جن کی گفتگو حق تعالیٰ کی پرخلوص گواہی پر مبنی ہے۔ ہمیں پیدا کیا اُن لوگوں میں جو خانہ نبوت سے آنے والی سدا پائندہ زندگی کی تازہ ہواؤں سے عطر حاصل کرتے ہیں اور ایسے مضبوط ایمان رکھنے والوں میں بنایا جو بامراد ہو کر صاحبِ نجات ہو جاتے ہیں جب وہ ایمان کے ناقابل شکست حلقے کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں سوا اللہ کے اور ہم اپنی گواہی میں مخلص ہیں اور ہم کو بنایا اپنے حق ادا کرنے

والے نیکوکاروں میں، اور جو لوگ نیک کام کرتے ہیں اُن کی نیکی بڑھتی ہے اور ہم کو پیدا کیا اُن میں جو دنیا اور عقبیٰ میں اللہ کی طرف نیک بختی ہی کی خواہش رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہم کو اس کے جیسا بنائے جسکو نیکی کمانے کی عادت ہے۔ اور ہم کو پیدا کیا اُن میں جن کا آغاز و انجام نیکی پر ہے، نہیں ہے کوئی خدا سوا اللہ کے جس نے سب کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، اپنی بندگی کو مان لینے میں اسکی یکتائی کی معرفت ہے اور اسکو ایک ہی جانکر اسکی بندگی کیجائے تو اس سے وہ راضی ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ کوئی اور خدا نہیں سوا اللہ کے اسطرح گواہی دیتے ہیں جو گواہی دینے کا حق ہے۔ اسی سے نیکی کا آغاز ہوتا ہے، مہربان خدا کی رضامندی ملتی ہے، ایمان کو مضبوطی ملتی ہے گناہوں کی گندگی مٹ جاتی ہے، طوفان کے تھپیڑوں سے چھٹکارا ملتا ہے۔

وہ اپنی قضا میں یکتا اپنے فیصلوں میں منصف ہے۔ بندوں کے حق میں ایسا کوئی فیصلہ کرتا ہی نہیں جو اس کے شایان شان نہ ہو جب تک وہ اسکی زمین پر ہیں ان کو نہیں ستاتا بلکہ ان کو سچائی کا راستہ دکھاتا ہے، اور بُرائی کرنے سے ان کو منع کرتا ہے؛ ان کی طرف اس نے خوش خبری دینے اور ڈرانے دھمکانے والے رسول بھیجے اور غیب کی خبر دینے والے ایسے پیغمبر بھیجے جو اسی برگزیدہ پروردگار کی

طرف سے باخبر کئے گئے تھے۔ اور ہم گواہ ہیں کہ کوئی خدا نہیں سوا اللہ کے جو گنتی میں آنے والی تمام چیزوں سے پہلے بھی تھا اور بعد میں بھی رہے گا۔ وہ اپنی بلندیوں سے بلند تر رہنے والا اور اپنی قربت سے قریب تر ہے۔ خوبی ہے تو اس کے لئے، بزرگی ہے تو اس کے لئے، بڑائی ہے تو اس کے لئے۔ تعریف کے قابل ہے تو وہی۔

ماخوذ از درر الفصاحۃ صفحات ۲۶ تا ۳۱

اللہ کی رحمت ہو اس کے بھیجے ہوئے رسول سب سے بزرگ محمدؐ پر جو اللہ کی طرف بلانے والے ہیں۔ اس کی خوشنودی کے لئے کوشش کرنے والے ہیں اور اس کے رازوں کے نگہبان ہیں اور اسکی بھیڑوں کے نگراں ہیں۔ اللہ کے نزدیک وہ بے مثل رسول ہیں۔ آپ کا نام احمد ہے۔ آپ خود اللہ کی مجسّم حمد ہیں۔ اسکی تعریف کرنے والے ہیں اسکی تعریفوں کا موضوع ہیں اور تمام تعریف کی باتیں آپ کے لئے ہیں وہ نیک ہیں سب سے زیادہ نیک بنائے گئے ہیں؛ اور تمام نیکیاں اُن سے وابستہ ہیں۔

آپ کے لئے اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور زمین کو پھیلایا۔ آپ کی ذات گرامی وہ کیلی ہے جس کے سہارے دنیا کی چکّی چل رہی ہے، اور آپ ہی کے سویدائے دل پر وہ راز جو بتانے کے قابل تھے نازل کئے گئے اور اس کو وہ تختی قرار دیا ہے جس پر نورانی سطریں کھینچی گئی ہیں، اور آپ ہی کی ذات میں خوبیاں اور خوش ادائیاں جمع کردی گئی ہیں۔ اور آپ کے بزرگ

پیشرووں کے لئے آپ کی خوشی اور چین کا سبب ٹھرایا ہے۔

اللہ کی طرف سے آپ بھلائی کا راستہ دکھانے والے رسول بنائے گئے۔ اور آپ کی ذات سے اللہ نے زمین کو شرف بخشا۔ اور آپ ہی کے صدقے میں ابر باران کی گئی۔ اور پیاسوں کو سیراب کیا گیا آپ کی تعریف پروردگار عالم نے طہٰ و صاد سے کی۔ اور آپ کی تلوار نے خون کے پیاسے دشمنوں کو کھیت کر دیا۔

سب سے زیادہ شریف رسول جس کو اللہ نے بزرگی عطا کی، اس طرح کہ اپنے دوسرے برگزیدہ پیغمبروں کا سردار بنا دیا۔ اور جب پیغمبروں نے نماز پڑھی تو آپ امام کی مانند کھڑے ہوئے۔ دوسرے پیغمبر آپ کے پیچھے ایستادہ ہوئے۔ آپ ہی نے امام کی جگہ قیام کیا اور آپ کی شاہانہ قائدانہ اور جوانمردانہ بلند مقامی ثابت ہو گئی۔

آپ کے پاک نام کے نعرے نے اولاد آدم کے لئے تمام پرانے بندھنوں کو توڑ دیا ہے۔ آپ وہ رسول ہیں، آپ وہ بزرگ رسول ہیں جس نے توحید کا کلمہ لا الٰہ الا اللہ سے جاری کیا۔ اللہ کی مرضی سے حرام و حلال مقرر کیا۔ سیادت کے سر پر تاج رکھا۔ اور جن لوگوں نے آپ کی اطاعت کی ان کو دنیا و عقبیٰ میں سیر کر دیا۔ ان کو سیدھے راستہ پر ڈال دیا۔ اور رہ گذر کی

مشکلوں کو آسان کر دیا۔ اور جو خدا کے حکم سے روگرداں ہوئے ان کو بسرعتِ
تمام ہلاکت کیا اور اللہ نے جن کو مہلت دینے کا حکم دیا اُن کو مہلت دی۔
آپ وہ شریف رسول ہیں جو اولاد آدم کا سردار ہے اور اُن تمام
رسولوں کا بھی سردار بنا جو دنیا میں بھیجے گئے۔ اللہ نے ہی آپ کو سرداری
دی ہے اُن تمام انبیاء پر اور اللہ ہی جاننے والا ہے کہ کون سرداری کا
اہل ہے۔

رحمت ہو اللہ کی اس کے رسول محمد پر اس رسول کے وصی پر جو پیار کمال میں سینہ کی جگہ ہیں جبکہ محمدؐ سر کی جگہ ہیں، بھر دیے گئے ان کے چاہنے والوں کے پیالے مٹھاس سے۔ اُن کا پاک نام تلوار کی طرح اپنے دوستوں کے امراض و خدشات نفسانی کو کاٹ دیتا ہے۔

وہ اپنے چاہنے والوں کا نگہبان ہے ہر اس شے کے مقابلہ میں جس سے وہ ڈرتا ہے، اسکی حفاظت کرتا ہے اس طرح جو حفاظت کرنے کا حق ہے۔

کون ہے سوا ان کے بیدینوں کے خداؤں کو غارت کرنے والا؟ ہاں! کون ہے سوا اُن کے عمر بن عبدود کو جواب دینے والا اور ھبل کو مٹا دینے والا؟ کون ہے سوا ان کے دین کے دشمنوں کو للکارنے والا؟ ہاں! کون ہے سوا

ماخوذ از درر السلاغہ صفحات ۵۸ - ۵۹

اُن کے (حضرت نوح علیہ السلام زمانے سے بچنے والے اصنام) ود اور سواع کو توڑنے والا۔ وہ جسکو اللہ نے چاہا اور اس کے رسول نے چاہا اور جس نے خود بھی اللہ اور رسول کی چاہت کا حق ادا کیا۔ جس کے لئے پروردگار نے عصر کے وقت کو اس طرح لوٹایا کہ اس نے عصر کی نماز ادا پڑھی۔ جس نے خدا کے دشمنوں کی جڑ بنیاد ہلا دی۔ ایسے دشمنوں کو جو اپنی دشمنی میں بہت سخت تھے، جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے بلاوے میں مزاحمت کی اور لوگوں کا راستہ روک دیا۔ اور بندش پر بندش لگائی۔ مگر تھا کوئی سوائے علیؑ کے جس نے اللہ کے لئے ان لوگوں کے مقابلہ میں جان توڑ کوشش کی ہو؟ ایسی کوشش جس سے کوشش کا حق ادا ہو جائے۔ کون ہے اُن کے سوا جس نے اللہ کے نام پر جو سوال کیا گیا اس پر اتنا دیا کہ اس کا حساب نہ کسی ناپ سے کیا جا سکتا ہے نہ گنتی سے؟ ہے کوئی ان کے سوا لوائے حمد اٹھانے والا؟ ہے کوئی ایک بھی فرد ایسی جو ان کی طرح کامل ہو؟ ہے کوئی اُن کے سوا ایسا مولا جسکی محبت نیک کام کرنے والوں کی کارکردگی کو منزلت عطا کرے؟ ہے کوئی آپ کے سوا بیواؤں کو پناہ دینے والا؟ ہے کوئی آپ کے سوا امیدواروں کی امید بر لانے والا؟ خدا کی قسم وہی ہے جس نے ہر سائل کے سوال کو پورا کیا۔ وہی ہے جس کی محبت اس کے چاہنے والوں کو خدا تک پہونچانے

کا ذریعہ ہے۔

خدا کی رحمت نازل ہو اُن کی زوجہ پر جو سیہ چشم و پاکیزہ تھیں۔ اور جب بیاہ دیا آپ کے والد نے آپ کو تو پیوند ہوا آپ کا ایسے رشتہ دار کے ساتھ جس سے بڑھ کر کوئی داماد نہیں ہوا خدا کی قسم آپ کی پیدائش پاکیزہ ہوئی اور آپ کے گھر کو بڑی منزلت حاصل ہوئی۔ آپ اللہ کی عبادت کے لئے جاگتی رہیں۔ اپنے چاہنے والے کو آپ زار و قطار روتی رہیں۔ آپ کا گھرانا سب گھرانوں سے اونچا ٹھہرایا گیا۔ آپ کی خوبیوں کا کوئی احاطہ ہو سکتا ہے نہ حساب چاہے

سارے بنی آدم ملکر لکھنا چاہیں، اور آسمان سے برسنے والا پانی صرف روشنائی بن جائے۔ آپ کی محبت رسول کی محبت۔ آپ کی اولاد رسول کی آل ٹھہری۔ آپ کی روح پر اللہ کی طرف سے سلامتی نازل ہو کہ فرشتوں کے سردار نے خوشی خوشی آپ کی چکی چلائی اور آپ کے گھر میں محبت سے جاروب کشی کی۔

اللہ کی برکت نازل ہو آپ پر اور آپ کے دونوں بیٹوں پر، دونوں معصوم بچوں پر، بڑے مرتبے والے اور بڑی شان والے تھے۔ وہ دونوں بچے جن کو قدسیوں نے چاہا اور اپنا دوست سمجھا۔ گلزار محمد مصطفیٰ

رسول خدا کے پھولوں پر اللہ کے مطالبات کو آخر تک پورا کرنے والے دلی کی آنکھوں کی ٹھنڈک پر ان دوش مقدس کے دو سواروں پر جن سے ملائکہ کرتا باتی ملی۔ اور وہ اللہ کی عبادت کی غرض سے اُن کے پاکیزہ حلقے میں آ گئے۔

اس درخت کے دو پھلوں پر جیکی جڑ مصطفےٰ، ایک شاخ زہرا ہیں۔ جس کے پیوند علی مرتضیٰ ہیں۔ خود درخت اُن سے محبت کرنے والے پاک باطن لوگوں سے ہرا بھرا ہے۔

اُن کی فضیلت کے چمن زار بصارت افزا ہیں، اُن کے لئے جنگی بصارت آلودہ نہیں ہے۔ دونوں کے فضائل کے بادل برکاتِ خداوندی سے بھرپور ہیں۔ دونوں کے فیضان میں وہ روشنی ہے کہ آدمی کو اتھاہ اندھیرے سے نجات دے۔ اور روشنی کے سمندر میں ڈبو دے۔ دونوں کے فرشتہ زیب اخلاق کی لپک پورب اور پچھم میں ایک ہی طرح پر ہے۔ ان دونوں کی شہادت کی روداد ان کے چاہنے والوں کے لئے جگر سوز ہے۔ ان کا احسان دوزخ کی آگ سے چھٹکارا دلانے والا ہے۔ اُن کی پرخلوص محبت ان کے چاہنے والوں کے ہلاکت خیز گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور اُن کے باعظمت نام کا درد غم نصیبوں کو اس غم سے آرام دیتا ہے جو دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والا ہے۔

اللہ کی رحمت نازل ہو اُن پر جو پناہ چاہنے والوں کو پناہ دینے والے ہیں۔ اور سہارا چاہنے والوں کے سہارا دینے والے ہیں۔ مراد مندوں کی مراد برلانے والے ہیں۔ بندھے ہوئے لوگوں کو چھٹکارا دلانے والے ہیں ایمانداروں کے امیر ہیں۔ یقین والوں کے امام ہیں۔ نیک کام کرنے والوں کے سردار ہیں۔ خدا کی قسم وہی دونوں امام برحق ہیں، چاہے وہ صلح سے گھر بیٹھے ہوں چاہے وہ جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ انھوں نے پاک پروردگار سے جو وعدہ کیا اُسے پورا کیا۔ اللہ کی لعنت ہو اُن پر جنھوں نے اُن سے بغاوت

اور دشمنی کی۔

ان دونوں میں سے ایک ابی محمد حسنؑ ہیں جنکی روح بہترین روح اور جن کا بدن بہترین بدن تھا۔ انھوں نے ہوش سنبھالا اسلام کی گود میں، اور نشو و نما پائی بہشتی غذا سے۔ دودھ پیا ایمان کی چھاتیوں سے، پلے ایمان کے جھولے میں، اور انھیں کے لئے شاندار رہنی اور مراتب آخرت ہیں۔ ہدایت اور پرہیز گاری کا قلعہ انھیں کی برکت سے محفوظ ہوا۔ اور انھیں نے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح صفائی کرائی۔ اور انھیں کی کوشش سے مذہب میں الجھن نہ ہونے پائی۔

اور ان دو میں سے دوسرا ابی عبداللہ الحسین وہ ہیں جنھوں نے بتول پاک کا دودھ پیا ہے، اور رسول کی گود میں پلے ہیں، اور سجدہ کی حالت میں ان کی پیٹھ پر سوار ہوئے۔ مردانگی اور سخاوت انھیں کا حصہ ہے اور جوان ہو کر اپنے پاک صاف باپ کی طرح بہترین ہدایت کرنے والے ہیں۔ اور خدا کے نام پر جہاد کا فرض ادا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تلوار کو بے نیام کیا۔ اللہ کے لئے آپ کو غیرت آئی۔ اپنے نانا رسول اللہ کی امت کی بھلائی کے لئے آپ کو جوش آیا۔ آپ نے اپنے نانا کے دین کے متزلزل ستون کو کھڑا کر دیا۔ اس طرح کلمۂ شہادت بلند کیا کہ وہ آسمانوں سے بھی بلند

ہوگیا۔ کربلا میں تشنگی کے عالم میں شہادت کا جام پیا۔ آپ کو قتل کیا گیا شقاوت و فریب سے۔ اللہ سے بے خوف ہو کر گناہ سمجھتے ہوئے ان لوگوں نے قتل کیا جو قرآن مجید میں شجرِ ملعون کہے گئے ہیں۔ ان لوگوں نے بڑھایا صرف اپنے کفر کو۔ لہٰذا لعنت ہے خدا کی اس گروہ پر جس نے آپ کو قتل کیا۔ آپ کو قتل کرنے کے لئے نکلے اور آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ اور ان لوگوں پر جنھوں نے ان لوگوں کو آسانیاں بہم پہونچائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اور جہنم انھیں کافروں کو سزا دینے کے لئے بنائی گئی ہے۔

اللہ کی رحمت ہو ان دونوں اماموں پر اور اُن آئمہ پر جو ان کی پاک و پاکیزہ اولاد میں سے ہیں۔ جو نورِ خدا کے سچے اور روشن مظہر ہیں۔ اللہ کی چلنے پھرنے والی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ جو زمین پر خلیفۃ اللہ ہیں، اُن سے نہ ڈرنے والا اللہ سے بھی جو نظروں سے پوشیدہ ہے نہیں ڈرتا۔

اے دوست تو اُن کے بلند منزلت کے متعلق کیا پوچھتا ہے۔ یہ وہ ہیں جنکی بارگاہ میں بڑے بڑے فرشتے چاکر اور چاپلوس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کتنے ہی ایسے پاک صحیفے ہیں جن کے متن اور حاشیئے اور ان کی مقدس فضیلتوں کے ذکر سے سجائے گئے ہیں۔ کسی میں اتنی تاب نہیں ہے کہ ان کی کسی ایک خوبی کو بھی پوری طرح لکھ سکے۔ اسی قرآن عظیم کی بہت سی صورتیں اور آیتیں اُن کی خوبیوں کا تذکرہ نہایت صاف و صریح انداز میں کرتی ہیں، کیونکہ خدا کی قسم اللہ نے انھیں کے لئے آسمان کو چھایا، اور زمین کو بچھایا ہے، اس لئے ان کے سوا کوئی بھی بخشش کرانے والا نہ ہوگا۔ جس دن پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کے گالے کی طرح اڑ رہے ہوں گے، اور لوگ بے ٹھکانا پریشان ہوں گے، اس

دن یہی بیچ بچاؤ کرنے والے ہوں گے۔ جس دن ٹھوکریں کھانے والوں میں سے کوئی بھی مقدرت نہ رکھتا ہوگا۔ اور کون ہے اُن کے علاوہ جو کمزور اور لاغر حاجت مندوں کا حصہ کامیابی کیساتھ ان کو پہونچائے۔ اللہ کے بندوں کے ساتھ جو اُن کے احسان ہیں جو نعمت یہ دیتے ہیں اس میں سب ہی کا حصہ ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، اُن کا فضل سب ہی پر نمایاں ہے۔ ہم انھیں کی مہربانیوں کے طفیل میں جی رہے ہیں۔ اور ہمارے پیشرو بھی اسی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ گذشتگان اور وہ فرشتے جو پروردگار کے نزدیک پسندیدہ ہیں ان پر اللہ کی طرف سے سلامتی۔ برکات و راحت پہونچاتے رہتے ہیں۔ ہلاکت میں پڑنے والے صرف انھیں کے سہارے سنبھلتے ہیں، تم اس دنیا میں ان کے جیسا نیک نہاد، نیک چلن۔ ملنسار۔ نرم مزاج۔ دوست اور اٹل انسان نہیں دیکھ سکتے۔ خدا کی قسم یہ لوگ بشر ہرگز نہیں بلکہ بلند مرتبت فرشتے ہیں۔

اللہ کی رحمت نازل ہو اُن پر جو امام برحق ہیں۔ چاہے وہ خاموش بیٹھیں چاہے اٹھ کھڑے ہوں۔ یہ رکوع و سجود کے پابندوں کے امام ہیں۔ کتنا مزہ ہے ان کے ذکر میں۔ کتنا ضروری ہے اُن کا شکر ادا کرنا۔ کتنا واجب الادائی ہے اُن کا حکم۔ کتنی بلند ہے اُن کی بڑائی۔ کیا ہدایت دینے والا ہے

ان کا نور۔ کیسی انصاف پسند ہے اُن کی حکومت۔ کتنی روشن ہیں اُن کی دلیلیں۔ کتنے خوش نما ہیں اُن کے باغیچے۔ کتنا بلند ہے اُن کا مرتبہ۔ کتنا مکمل ہے اُن کا احسان۔ اُن کی اصل فردوس میں ہے۔ ہم ان کی نرم دلی کو عام انسانوں کی نرم دلی کے پیمانے پر ناپ سکتے ہیں اور نہ ان کی مردانگی کو کسی عام نوجوان کی مردانگی سے۔

اب ہم بوسہ دیتے ہیں ان آئمہ کے نورانی فضائل کے آستانوں پر اس نظم کے ذریعہ جو اُن کے ایک ایسے بندے کی کہی ہوئی ہے، جو خود بھی اُن کی خدمت پر ہمہ وقت مستعد اور ایک نظم و ضبط کے ساتھ ان مملکت کی حفاظت کرنے والے غلاموں کے سلسلہ میں بندھا ہوا ہے۔ اس امید کے ساتھ (یہ نظم پیش ہے) کہ آخرت میں جنت الفردوس میں جہاں وہ آئمہ ہوں اس (بندے کو بھی) ان کے ساتھ انھیں کی شفاعت کے بموجب رہنا نصیب ہو، جیسے جنت کے اندر ان کی دعوت کی جنت میں جو خود ایک بڑی نعمت ہے رہنا نصیب ہوا۔

نَحْمَدُہٗ عَلٰی جَلِیْلِ نِعْمَتِہٖ	ہے جسکی دین بڑھ چڑھ کر کریں گے ہم ثنا اسکی
نَشْکُرُہٗ عَلٰی جَزِیْلِ مِنَّتِہٖ	اُسی کا شکر ہے کی جس نے اپنی آرزو پوری
وَنَسْتَفِیْضُ مِنْہُ فَیْضَ رَحْمَتِہٖ	اسی کے رحمت و فیضان کر ہے فائدہ ہم کو

ونستعيذ من حلول نقمته
نحمده عزّ وجل لم يكن
له شريك في علوّ عزّته
نحمده من مبدع مخترع
لكلّ شئ بعظيم قدرته
نحمده من مبدع محتجب
في حجب من غيبه وسبحته
نحمده من مرسل لمرسل
فضله على جميع خلقته
محمّد رسوله من لم يكن
كمثله من مرسل في رتبته
فلم يكن صورهم كصورته
ولم تكن سيرهم كسيرته
نحمده من مكمل لدينه
يوم غدير وتمم نعمته
يوم به نصّ على وصيه

غضب سے جسکی ڈر کر چاہتے ہیں ہم پناہ جسکی
ثنا اسکی جو عزت والا عظمت والا مالک ہے
نہیں ہے عظمت و عزت میں جسکا کوئی بھی ساجھی
ثنا کرتے ہیں اسکی اس جہاں کے ذرے ذرے سے
عیاں ہے جسکی صنعت کا کمال اور طرح اندازی
ثنا کرتے ہیں اسکی جو نگاہوں سے ہے پوشیدہ
مگر اپنی بنائی چیز سے دی معرفت اپنی
ثنا کرتے ہیں اسکی جس نے بھیجا اپنا وہ مرسل
کہ مخلوقات میں جسکا نہیں ملتا کوئی ثانی
محمد مصطفےٰ ہے جملہ رسل میں جو یگانہ ہے
وہ جس رتبہ پہ پہونچا ہے وہاں پہونچا نہیں کوئی
وہ صورت ہو کہ سیرت کوئی پیغمبر کوئی مرسل
کسی حالت میں کر سکتا نہیں ہے ہمسری اسکی
ثنا کرتے ہیں اس رب کی غدیر خم کے دن جس نے
کیا اکمال دیں اور کردیں ساری نعمتیں پوری
علی موصوف تھے عصمت سے احمد نے یہ باعث تھا

محمد قد خصه بعصمته
غدیر خم کے میداں میں وصایت کی جو نص کر دی

خير وصي نوره من نوره
علی سے بڑھ کے کوئی تھا وصی ہوتا جو احمد کا

طينته مشتقه من طينته
کہ اُن کا نور بھی ہے ایک اور ہے ایک طینت بھی

خير وصي مرتضے مطهر
علی مرتضیٰ طاہر وصی کیا ہونے والے تھے

زوجه ببنته وبضعته
یہی باعث تھا احمد نے جو اپنی بیٹی اُن کو دی

نحمده من مطلع لقمري
ثنا اسکی جو مطلع ہے نبی کے ماہپاروں کا

فلكه بل ثمري نبوته
جو ہے باغ نبوت کے پھلوں کی بارور ڈالی

من حسن مستودع لسره
حسنؑ ہیں ایک اُن میں سر خدا کے راز کے محرم

نجله بحلمه وهيبته
نشانی جن میں ہے احمد کے اخلاق اور ہیبت کی

ومن حسين مستقر صنوه
حسینؑ انکے برادر کے معاون دوسرے ٹھہرے

نجله بجوده ونجدته
دلیری اور سخاوت سے ہے ظاہر شخصیت ان کی

هل غيره يركب ظهر جده
نبی کی پیٹھ پر اُن کے سوا کوئی بھی بیٹھا ہے

وهو لدى معبوده في سجدته
پھر اس عالم میں جب سجدہ میں تھی احمد کی پیشانی

نحمده من موجد في خلقه
ثنا کرتے ہیں اسکی جو کہ پیدا کرنے والا ہے

لهديهم من نسله لصفوته
نبی کی نسل میں مخلوق عالم کے لئے ہادی

نحمده نشكره نعبده
ثنا شکر و عبادت اسکی ہر دم کرتے رہتے ہیں

اور اب ہم کو وہ دعاء شریف پڑھنا چاہئے جس کا پایہ بہت اونچا ہے۔ اس کو نسبت ہے حضرت امام مستنصر باللہ کے باب الابواب حضرت مؤئید شیرازی کے قلب سے۔ اس میں حضرت جندب کا لہجہ پایا جاتا ہے۔ اور حضرت مالک ابن اشتر کی سطوت کا انداز ہے۔ حضرت سلمان کا مرتبہ ایمان ہے۔ اور قصر علوی کے آستان بلند کی نسبت ہے۔ علوی فیوض کی کرنیں اس پر پڑی ہیں، وہ دعا یہ ہے :-

اَللّٰھُمَّ اِنّی ادعوك وا تضرع لديك واسئلك وا توسل اليك۔ بالذوات العلية ۔ والصّور الجليّة ۔ وَالمقامات الذاتية۔ والظّهورات المثلية۔ والاشخاص المحجابية والاذمية الازلية والنّوحيّة الحجابيّة۔ والابراهيميّة الخليليّة۔ والموسوية الكليمية۔ والعيسوية المسيحيّة۔ والمحمدية الهاشميّة والعلويّة الطالبيّة والحسنة العَلَويّة۔ والحسينيّة الفاطميّة والاسماء الخفيّة والابواب

السلسلیّۃ والانوار الشعشعانیّۃ والاصباح الدرّیۃ۔ والاشباح المضیئۃ۔ والاکوار النورانیہ واسألک بالقدر الباہرات والحجج الشاہرات۔ والاحتام القاطعات۔ والبروق اللامعات۔ والریاح الذاریات۔ واسئلک بکل حجاب اخترعتہ وکلّ باب اقمتہ وتیم یتمتہ۔ و نقیب نقبتہ۔ ومختص اختصصتہ۔ ومخلص اخلصتہ وممتحن امتحنتہ۔ ومقرب قربتہ وکرو بی عن کرب الشر رفعتہ۔ وروحانی الصفاء روحنتہ۔ ومقدس بقدسک قدستہ۔ ومستمع لخطابک یوم النداء اسمعتہ۔ وبکل کود کورتہ۔ ودور دورتہ۔ وحین حینیتہ۔ ووقت وقتہ۔ وباللّیل اذا عسعس والصبح اذا تنفس والفجر ولیال عشر والشفع والوتر واللیل اذا یسر۔ ان تجمع شملی وتؤلف قلبی علی التقوی وتعجل فرجی وتنفس کربی۔ وتنعش ضعفی۔ وتشفی علتی ظاہرۃ وباطنۃ۔ وتفک اسری۔ وتقیل عثرتی وتغفر زلتی۔ وتعز ذلتی۔ وتونس وحشتی۔ وتقضی حاجتی۔ وترحم عبرتی وتجاوز عن غلطتی۔ وتدارک

هفوتی و تبرا ئیمانی۔ وتعز مکانی۔ وتوقع اهوانی۔ ولا تخل اوطانی۔ ولا تخذل اعوانی۔ وعظم شانی۔ وطیب امانی۔ یامن لا یصمہ الاصوات۔ ولا یشتکل علیہ اللغات۔ یا موضع قصد القاصدین۔ ومنتھی رغبۃ الرّاغبین۔ یا علی یا عظیم اغفر الذنب العظیم۔ وادم علی النعماء۔ واوزعنی الشکر عند العطاء۔ بالسراء والضراء۔ والصّبر علی البلاء۔ ولا تمتعنی فی الاخرۃ والاولی۔ وارزقنی شفاعۃ الملآئکۃ۔ والانبیاء والاوصیاء والائمۃ الاتقیاء۔ واکفنی شر نفسی الامارۃ بالسوء الا ما رحمت۔ وارزقنی رضاک ورضی اھل بیت محمّد صلوات اللہ علیھم۔ ونور قلبی بنور الایمان۔ واملاہ من خشیتک یا رحمٰن۔ وارزقنی جسمًا روحانیا وقلبا سماویا۔ ونفسا طاھرۃ۔ وعینا الیک بنورک ناظرۃً واعوذ بک یا ربّ

و باولیاءک من لدن العقل الاول الیٰ قائم
القیامۃ من شبکات الوساوس۔ وشر خطوات
الھواجس۔ وغرورا ما نی الاابالس۔ ومن شر
کلّ ذی شر۔ ومن شر النفس الحسیۃ الشہوانیۃ
البھیمیۃ۔ واعن علی زجرھا وقمعھا۔ واغفرلی اللّٰھم
ما انت اعلم بہ منّی فان عدت فعد علیّ بالرضیٰ عنی
اللّٰھم اغفرلی ما وأیت من نفسی ولم تجد لہ وفاء
عندی اللّٰھم اغفرلی ما تقربت بہ الیک ثمّ خالفہ
قلبی۔ اللّٰھم اغفرلی رمزات الالحاظ۔ وسقطات
الالفاظ وسھوات الجنان وشھوات الانسان
وھفوات اللسان اللّٰھم اغفرلی حتی ترضیٰ
واغفرلی بعد الرّضیٰ اغفرلی کما تحبّ وترضیٰ
برحمتک یا ارحم الرّاحمین اللّٰھم اجعل
فراقی من الدّنیا فراق من شملتہ برحمتک
ومغفرتک ومعونتک وشفاعۃ اولیائک
ولا تخرجنی من الدنیا الابذنب مغفور۔ وسعی مشکور۔

وعمل مبرور۔ وتجارۃ لن تبور۔ یا عزیز یا غفور
بقدرتک یا ارحم الراحمین۔ یا راحم کل
فقیر۔ یا جابر کل کسیر۔ ویا ناصر کل صغیر
ویا میسر کل عسیر۔ اللھم لا تجعل عیشی علی کدکدا۔
واکفنی شر من کان لی ضدا۔ ولا ترد دعاءی علی
ردا۔ فانی لا اجعل لک شریکا ولا ندا۔ اللھم
ارحم من لا یرحمہ العباد۔ واقبل من لا تقبلہ
البلاد اللھم ارحم منی جسما لباسہ سقم۔ وفی
کل جارحۃ من جوارحہ الم۔ وقلبا القی علیہ الزمان س
الھم۔ اللھم ارحم ضعفی وبوسی وفقری وذلی۔
ووحدتی وغربتی وجھلی۔ برحمتک یا ارحم
الراحمین۔ واخر دعواھم ان الحمد للہ
رب العلمین۔ وصلی اللہ علی
رسولہ سیدنا محمد والہ الطاھرین
الطیبین وحسبنا اللہ
ونعم الوکیل۔

(ترجمۂ دعا) پروردگار! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیرے ہی روبرو نالہ و زاری کرتا ہوں۔ تجھ سے مانگتا ہوں تیرے ہی لئے وسیلہ چاہتا ہوں، ان بلند شخصیتوں، روشن صورتوں، بنی عظمت رکھنے والوں۔ عالم مثالی میں سامنے رہنے والوں اور حجاب غیبت میں رہنے والی شخصیتوں کا، آدم کی ازلی شان، نوح کی پنہاں خصوصیت، ابراہیم کے خصائص خلت۔ موسیٰ کی شان کلیمی، عیسیٰ کی تاب مسیحی۔ محمد کی ہاشمی شان علی کے طالبانہ خصائص۔ حسن کی علوی خصوصیت حسین کی فاطمی شان اور آئمہ مستورین اور ان کے سلسلہ بند ابواب اُن کے خیرہ کن نور، دورکشف کی بارونق صبحوں۔ چمکتے ہوئے جسموں اور روشن زمانوں کا۔ تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری روشن قدرت کے واسطے سے۔ مشہور حجتوں کے واسطے سے نصوص قطعیہ کے واسطے سے۔ کوندتی ہوئی بجلیوں کے واسطے سے تند ہواؤں کے واسطے سے، سوال کرتا ہوں ہر اس حجاب کے واسطے سے جو تو نے بنائے۔ اور تیرے قائم کئے ہوئے ابواب کے واسطے سے، ہر اس فرید کے واسطے سے جسکو تو نے فرد بنایا۔ ہر اس داعی کے واسطے جسکو تو نے داعی بنایا۔ ہر اس مخصوص ذات کے واسطے سے جسکو تو نے خصوصیت بخشی۔ ہر اس مخلص کے واسطے سے جسکو تو نے خلوص دیا۔ ہر اس امتحان دینے والے کے واسطے سے جس کا تو نے امتحان لیا۔ تیرے اس قربت رکھنے والے کے واسطے

سے جسکو تونے قربت بخشی۔ ہر اس فرشتے کے واسطے سے جس کو تونے گناہوں سے بچایا۔ ہر اس روحانی کے واسطے جسکو تونے روحانیت بخشی۔ ہر اس پاکیزہ ذات سے جسکو تونے بلاواسطہ پاکیزگی دی۔ اور اس کے واسطے سے جو تیرا کلام اس دن سنیگا جبکہ اسکو سنوایا جائے گا۔ اور ہر اس زمانے کے واسطے سے جو گردش کا تابع رہا ہے۔ ہر اس دور کے واسطے سے جو تونے چلایا۔ ہر اس ساعت کے واسطے سے جسے تونے مقرر کیا، ہر اس وقت کے واسطے سے جس کو تونے معین کیا۔ رات کے ان ہنگام کے واسطے سے جبکہ تیرگی پھیل جاتی ہے۔ صبح کے اس ساعت کے واسطے سے جب وہ طلوع ہونے لگے۔ اور اس ایک دن اور ان دس راتوں کے واسطوں سے، شفع۔ وتر اور الیل اذا یسر کے واسطے سے میری پریشانی دور کر کے جمع خاطر کر، اور میرے دلکو پرہیزگاری سے مانوس کر۔ فوری کشادگی عطا فرما میری مصیبت دور کر، میری کمزوری کو قوت سے بدل دے۔ میری ظاہری اور باطنی بیماریوں کو دور کر، میری مجبوریوں کو ختم کر۔ میری لغزش کو معاف کر۔ میری گراوٹ کو نظر انداز کر دے۔ میری ذلت کو عزت سے بدل دے۔ میری گھبراہٹ کو تسکین سے بدل دے۔ میری حاجت پوری کر، میرے رونے پر ترس کھا۔ میری خطاؤں کو نظر انداز کر دے، میری بھول چوک کی عادت کو ختم کر، میرے

ایمان کو پاکیزہ بنا۔ میری منزلت بڑھا۔ میری رسوائی عزت سے بدل دے۔ میرے وطنوں کو ویرانی سے بچا۔ میرے ساتھیوں کو بے یار و مددگار نہ کر، میری شان کو عظمت دے۔ میری پناہ کو پاکیزہ کر، اے نبی کو ان سنی نہ کرنے والے۔ تیرے لئے لفظوں کا سمجھنا مشکل نہیں۔ اے امید واروں کے آسرے۔ اے پسند کرنے والوں کے پسندیدہ۔ اے بلند مرتبت پروردگار۔ اے بڑائی رکھنے والے مالک میرے عظیم گناہوں کو تو بخش دے۔ اور میرے اوپر ہمیشہ نعمتوں کی بارش کر، اور مجھے توفیق دے کہ میں تیری مہربانی کا شکر ادا کروں۔ چاہے عیش و آرام کی حالت میں چاہے تنگدستی و مصیبت کی حالت میں۔ آزمایش کے ہنگام مجھے صبر دے، اور دنیا و آخرت میں مجھے گرفتار مصائب نہ کر، ملائکہ انبیاء۔ اوصیاء اور پاکباز آئمہ کی شفاعت سے مجھے سرفراز کر۔ میرا نفس امارہ برائی اور فساد کی طرف مائل ہے۔ اسکو بچا کر اپنی رحمت سے کام لے، مجھے اپنی خوشنودی اور محبت اہل بیت کی خوشی عطا کر، ایمان کے نور سے میرے دل کو منوّر کر دے۔ اے بخشنے والے میرے دل کو اپنے خوف سے بھر دے۔ میرے جسم کو روحانیت عطا کر، میرے دل کو کشادگی دے، اور نفس کو پاکیزہ بنا۔ اور ایسی آنکھ دے جو تیرے نور کے سہارے سے تیری طرف دیکھ سکے۔ میں تیری اور تیرے ان اولیاء کی جو عقل اوّل کے زمانے سے قیامت کے

قایم ہونے تک ہوئے ہیں، اور ہوتے رہیں گے۔ پناہ چاہتا ہوں وسوسوں کے پھندوں سے۔ ہر فساد پیدا کرنے والے کے شر سے۔ اس نفس کے شر سے جس میں جانوروں کی جیسی شہوانی حس بھری ہوئی ہے۔ پروردگارا اس نفس کو سدھارنے میں میری مدد کر۔ مجھے بخش دے اے میرے پروردگار ان قصوروں پر جن کا علم تجھے مجھ سے زیادہ ہے۔ اگر تو میری طرف متوجہ ہے تو خوشنودی کے ساتھ۔ پروردگارا مجھے معاف کر کہ میں نے از خود جو وعدہ کیا ہے اسکو تیری مرضی نہ ہونے کی وجہ سے پورا نہیں کر سکا۔ پروردگارا مجھے بخش دے کہ میں نے تیری قربت حاصل کرنے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا اسکو دل نے قبول نہیں کیا، اے پروردگار مجھے معاف کردے۔ پروردگارا میری آنکھوں کے اشاروں سے بھی جو گناہ ہوئے ہیں اُن کو معاف کر۔ میری زبانی بھول اور دل کی چوک، آنکھ کی ہوس، اور زبان کی بیہودگیوں کو معاف کر، پروردگار مجھ سے رضامند ہونے کی حد تک میرے گناہوں کو معاف کر، اور رضامند ہونے کے بعد بھی میری مغفرت کر۔ جیسے تو چاہے جو تیری مرضی ہو اسی طرح مجھے معاف کردے۔ تجھے تیری رحمت کا واسطہ۔

پروردگارا مجھے دنیا سے اٹھا اس شخص کی طرح جس کو تو دنیا سے گذر جانے کے وقت اپنی مہربانی، بخشش، مدد اور اپنے اولیاء کی شفاعت

سے نوازا ہو، مجھے دنیا سے الگ نہ کر، مگر اس طرح کہ میرے گناہ معاف ہو چکے ہوں، اور میری کوشش مشکور ہو۔ میرے کام نیک ہوں۔ میرا سودا بغیر نقصان کا ہو۔ اے عزت والے اے بخشنے والے مالک تیری قدرت کا واسطہ اے رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے۔ اے محتاجوں پر رحمت کرنے والے، اے ٹوٹی ہوئی چیزوں کو جوڑنے والے۔ اے چھوٹوں کی مدد کرنے والے اے مشکلوں کے آسان کرنے والے۔

پروردگارا میری زندگی تلخ نہ ہونے دے۔ مجھے میرے دشمنوں کے فتنوں سے بچا۔ میری دعاؤں کا جواب ان کو رد کر کے نہ دے۔ کیوں کہ میں کسی کو تیرا شریک ٹھہراتا ہوں نہ تیرا مثل۔ پروردگارا تو اس شخص پر رحم کر جس پر بندے رحم نہیں کرتے ہیں۔ جسکو بستیوں میں ٹھکانا نہیں ملتا تو اسے اپنالے۔

پروردگارا میرے اس جسم پر رحم کر جو بیماریوں سے لپٹا ہوا ہے، جسکے جوڑ جوڑ میں درد ہے، اس دل پر رحم کر جس کو زمانے نے فکروں سے چکنا چور کر دیا ہے۔

پروردگارا میری کمزوری، میری بدبختی۔ محتاجی۔ ذلت، تنہائی غربت اور جہالت پر رحم کھا، اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے، تجھے تیری رحمت کا واسطہ۔

اور اُن کی دعاؤں کا سلسلہ ختم ہوا۔ تحقیق کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں
جو تمام دنیاؤں کا پالنے والا ہے۔ رحمت نازل ہو اللہ کی اس کے رسول
سیّدنا محمد پر اور اُن کی آل پر۔ ہماری مدد کے لئے اللہ کافی ہے۔ اور
بہترین آسرا ہے۔

امّابعد، اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد کی پاک و پاکیزہ آل کا بندہ ہوں۔ اس پاکیزہ آل کا بندہ، جسے خداوند تعالیٰ نے نعمتِ امامت سے سرفراز کیا۔ اور بڑی سلطنت دی۔ (وہ بندہ) جس نے اہل بیت کی نعمتوں سے پرورش پائی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام ظاہری اور باطنی آلودگی سے دور رکھا۔ اور پاک و پاکیزہ بنایا (وہ بندہ) جو گڑگڑا کر اپنے مولا۔ اپنے مالک، اپنے زمانے کے امام سے التجا کرتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے اس کے غالب آنے والے دلائل اور مضبوط تشفی کرنے والے فراہم کر دے۔ کیونکہ یقیناً وہ امام سننے اور دیکھنے والے ہیں۔ (ایسا بندہ) جوان بزرگ پیشرؤوں کا پیرو ہے جو نہایت محترم تھے، جو نہایت محترم ہدایت کرنے والے آلِ محمد کے داعیوں میں سے تھے۔ (وہ بندہ) ابو محمد طاہر سیف الدین فرزند بلند مرتبت داعی یکتائے روزگار۔ منتخب لوگوں میں سے انتخاب وحید عصر مولانا محمد برہان الدین کا ہے۔ اے میرے ایمان والے بھائیو.... میں آپ کی خدمت میں ہدیۂ سلام

پیش کرتا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جو نیکو کاروں کو پیش کیا جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ میں آپ کے سامنے نیک ذکر کرنا چاہتا ہوں ۔ جسے مجھ سے پیشتر گذرنے والے بزرگان دین بیان کر چکے ہیں ۔ یہ بزرگ شرافت اور ملنساری کے اعلیٰ درجوں پر فائز تھے ۔ یہ ایسے نصیحت آمیز بیانات ہیں کہ جو قیمت اور اہمیت میں ہیرے اور جواہرات سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں ۔

ان میں سے وہ کلام ہے جو پہونچا ہے ہم تک اس شخص کے کلام میں سے جو سراپا اللہ کا کلمہ تھا ۔ اور اسکی ایک بڑی نشانی تھا ۔ جس نے خدا کے حکم سے ایک جاہل کو زندہ کیا ۔ اور اپنی نثر میں بلاغت کے موتی پرو دیئے ، اس سے مراد ذات جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہے ۔ خدا کی رحمتیں نازل ہوں ان پر اور ان آئمہ پر جو آپ کی پاکیزہ ذریت سے ہیں ۔ فرمایا آپ نے :۔

خدا کی قسم مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ پیغام حق کسطرح پہونچایا جاتا ہے ، اور وعدے کیسے وفا کئے جاتے ہیں ۔ اور تمام علوم سے واقف ہوں ، ہم اہلبیت کے قبضہ میں حکمت کے دروازے ہیں ۔ اور ہم امر الٰہی کی روشنی ہیں ۔ سنو ! دین حق کا راستہ ایک ہے ۔ اور وہ بہت سیدھا ہے ۔ جو اسپر لگ گیا وہ اپنی

منزل مقصود کو پا گیا، اور اس کے فوائد حاصل کئے۔ اور جو اس سے ہٹ گیا اُسے گمراہ اور شرمندہ ہونا پڑا۔ نیک کام کرو، اس دن کے لئے جس دن کے لئے نیکی بٹورنا چاہیئے۔ جس دن دل کے بھید پرکھے جائیں گے۔ اور جس دن اس نے حاضر دماغی سے فائدہ نہ اٹھایا وہ بے عقل بالکل عاجز ہوگا۔ اور جسکی عقل غائب ہی وہ تو سب سے بڑا محتاج ہے۔۔۔۔۔ بچو اس آگ سے جسکی گرمی بہت تیز ہے۔ بچو اس جہنم سے جو بہت گہری ہے۔ بچو اس جہنم سے جس کا زیور لوہا ہے، اور جہاں پینے کے لئے پیپ ملتی ہے۔

اور پھر (آپ نے فرمایا) (یہی شریعت) ایک کشادہ اور روشن راستہ کی منزل ہے جس کا چراغ بہت تیز روشنی دیتا ہے۔ لہٰذا ایمان کے پیمانے پر نیکیوں کا معیار قائم ہوتا ہے۔ اور نیک اعمال سے ایمان پہونچایا جاتا ہے، ایمان سے علم محکم ہوتا ہے اور علم کی بنا پر موت کا ڈر واضح ہوتا ہے۔ موت سے دنیا ختم ہوتی ہے۔ اس طرح دنیا کے ذریعہ آخرت محفوظ کرلی جاتی ہے۔ اور انسان کے حشر و نشر کو کوئی نہیں روک سکتا۔ میدان جزا و سزا میں لوگ دوڑ کر اپنی اپنی انتہا کو پہونچیں گے (پھر جناب امیر کا کلام ہے) لہٰذا عبرت حاصل کرو اے اللہ کے بندو۔ یاد رکھو کہ یہی وہ باتیں ہیں جن کے پابند تمہارے باپ دادا تھے، اور تمہارے بھائی ہیں۔ انھیں کا اُن سے حساب لیا جائے گا۔ میں اپنی زندگی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ

ان کے اور تمہارے درمیان نہ اتنا زمانہ گذرا ہے نہ صدیاں نہ جگ بیتے ہیں نہ آج کا دن اس دن سے اتنا دور ہے۔ جب تم اُن کے صلب میں تھے (کہ تم بھول چکے ہو) خدا کی قسم رسول خدا نے جو کچھ ان کو سنایا تھا آج میں وہی باتیں تم کو بتا رہا ہوں۔ اور آج تمہارے کان اُن کے کانوں سے ایسے الگ نہیں ہیں جو کل تھے۔ نہ اُن کے لئے الگ آنکھیں بنائی گئی تھیں اور نہ اُن کے دل کچھ الگ بنائے گئے تھے۔ اس زمانے کے لحاظ سے جو کچھ اُن کے پاس تھا وہی تمہارے پاس ہے۔ خدا کی قسم اُن کے بعد سے تم نے کوئی نئی بات نہیں دیکھی۔ نہ تمہیں کوئی ایسی نئی چیز دی گئی ہے جو ان کو نہ دی گئی ہو، ہاں تمہارے لئے اونٹ کی رسی کی طرح دراز مصائب کا ایک سلسلہ نازل ہو چکا ہے۔ اور تمہارے بھٹکانے میں تنزل آ چکا ہے۔ جیسے اَن کسی زین پر ہوتا ہے لہذا تم کو دھوکا نہ ہونا چاہیئے۔ جیسے دنیا کے لوگ دھوکا کھا چکے ہیں۔ کیونکہ یہ دنیا ایک لمبی پرچھائیں ہے۔ جو موت کی مقرر منزل تک پھیلی ہوئی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اعمال کی دو قسمیں ہیں

دینی اور

دنیاوی

دینی اعمال وہ ہیں جو اکثر عظمت والے خدا کی خوشنودی کے لئے کئے جاتے ہیں۔ وہ نہیں جن میں دکھاوا اور بدنیتی شامل رہتی ہے۔ اور

دنیاوی اعمال وہ ہیں جو حقیقت میں پستی اور بہیمیت لئے ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اعمال نیک اور قابل قدر بن جاتے ہیں۔ جبکہ اُن کے ادا کرنے میں دینی شریعت کا بھی لحاظ رکھا جائے۔ اور ان کو اللہ کی مرضی حاصل کرنے کی پُرخلوص نیت سے کیا جائے۔ جیسے جی چاہتا ہے کہ اچھے مزیدار کھانے کھائے جائیں۔ میٹھے شربت پئے جائیں اور ضرورت محسوس ہوتی ہے اس امر کی، کہ اونچی قیمت کے کپڑے پہنے جائیں اور شاندار مکانوں میں رہا جائے، اور اسی طرح کے بہت سے دنیوی اعمال ہیں جو نفس امارّہ کرتا رہتا ہے۔ لیکن جب یہی باتیں شریعت کے مطابق ہوں اور اُن میں خدا کی خوشنودی کا بھی خیال مدنظر رہے اور اُن کے عمل میں لاتے وقت وہ دعائیں پڑھی جائیں جو ایسے وقت کے لئے مشہور ہیں، اور ذکر کی گئی ہیں تو ہر ایک عمل کا اجر و ثواب حاصل ہوگا، ایسے طریقے پر کاربند ہونے سے۔ اللہ برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو انسان ایک لمحہ بھی اپنے حرکت و سکون کی حالت میں اپنے پروردگار کی عبادت سے خالی نہ رہے۔ یہی بات انبیاء کے اعجاز میں سے ایک معجزہ ہے جو خاص انسانوں کے دل میں جگہ پائے ہوئے ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ باتیں

تمہارے سامنے ہیں۔ لہذا شریعت ظاہرہ کے اعمال پر کاربند ہوکر عبادت کرنے والے بن جاؤ۔ اور اللہ کی مضبوط رسی کو پکڑ لو اور حب دنیا ان طرق کو بدل دے تو تم اس سے گریز کرو۔ اور اپنے اعمال دنیاوی دینی اعمال میں ڈھال دو۔

تو ہمیں اللہ کی نوازش کا بہترین سامان کرلینا چاہیئے اور ہمیں اس امام کا ذکر کرنا چاہیئے جو اپنی ملکوتی کیفیت میں بہت بڑی شخصیت کا حامل تھا۔ اور اپنی جبروتی فیضان سے نوازنے والا تھا۔ وہ امام جو اپنے اہل زمانہ کی بھلائی کے لئے شہید ہوگیا اور خدا کی بارگاہ میں جام شہادت پی کر پہونچا۔

اللہ اکبر! کتنی بلند ہے اس شہید کی عظمت جو تین دن کا بھوکا پیاسا میدان کربلا میں شہید ہوگیا۔ وہ شہید جس کے لئے آسمانوں پر فرشتے روئے اور زمین پر جنات اور انسان نے گریہ کیا۔ پس جو رویا۔ جس نے رلایا۔ یا جس نے (اس کے غم میں) رونے کی شکل بنائی وہ قیامت کے دن اسکی شفاعت سے اس (سوگوار) پر جنت واجب ہوجائے گی۔

یہ وہ شہید ہے جس کا نام حسین اور شبیر ہے۔ جس نے اپنے اولین و آخرین کا قرض (شہادت) ادا کرنے کی تدبیر کی۔ اللہ نے اسکو فرض شناس بنایا۔ اور نتیجے کے طور پر خدا نے اپنی شان کریمی سے انکا وقار بڑھایا اور اُن پر جو رد یا اس کے ثواب کو اللہ نے زیادہ کیا اور زیادہ سے زیادہ

کرتا چلا گیا۔

اس میں شک نہیں کہ محمد کی پاک و پاکیزہ اہل بیت کے دوستوں کی مجلسوں کی فضیلت نہایت معلوم و مشہور رہے۔ اُن کا کیف و سرور اُن کے نور کا دفور نہایت نمایاں ہے۔ ان کی فضیلت کی روایات کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل متصل اور صحیح طور پر متوصل ہے۔ یہ مجلسیں باغِ جناں کی روشوں کا آئینہ ہیں۔ ہر انسان کا دل اسکی طرف رغبت کرتا ہے، ان مجالس میں علوم کا ذکر یوں ہوتا ہے جیسے جنت میں نہریں بہتی ہوں، ان میں حکمت و معارف کے اشجار ثمرور ہو کر حاضرین کے دامن مراد کو بھر دیتے ہیں۔ مومنین کے دل و دماغ معرفت کی خوشبو سے بس جاتے ہیں۔ اور یقین کی بلند منازل پر فائز ہو جاتے ہیں۔ جو شرف اور عظمت ان مجالس کو حاصل ہے، کسی دوسری منزل کو اسکی ہوا تک نہیں لگی ہے۔ ان کی رونق کا بھی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب نے اپنے شیعوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔ ابشروا فواللہ لقد مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ۔ وھو راضٍ عنکم ایھا الشیعہ الا ان لکل شیئٍ ذروہ وذروۃ الاسلام الشیعۃ ٥ الا ان لکل شیئٍ دعامۃ ودعامۃ الاسلام الشیعۃ الا ان لکل شیئٍ شرفاً وشرف الاسلام الشیعۃ

الّا ان لکل شئٍ سیداً و سید المجالس مجلس الشیعہ ۔ واللہ لولا من فی الارض منکم استکمل اھل خلافکم طیبات مالھم فی الدنیا وما لھم فی الآخرۃ من نصیب ۔ (بشارت ہو اے شیعو خدا کی قسم رسول اللہ نے انتقال فرمایا اس حالت میں کہ وہ تم سے راضی تھے ۔ سنو! ہر شے کا ایک حاصل ہوتا ہے ۔ اور اسلام کا حاصل دوستان اہل بیت ہیں ۔ ہر شے کا ایک سہارا ہوتا ہے اور اسلام کا سہارا دوستان اہل بیت ہیں ۔ ہر شے کو شرف (کا باعث کچھ نہ کچھ) ہوتا ہے ۔ اور اسلام کے شرف کا باعث دوستان اہل بیت ہیں ۔ ہر شے کا ایک سردار ہوتا ہے ۔ اور مجالس میں سرداری دوستان اہل بیت کی مجلس کو حاصل ہے ۔ خدا کی قسم (تمہارے صدقے میں) تمہارے مخالفین پاک و حلال چیزوں کا استعمال کرتے ہیں ، اگر تم نہ ہوتے تو دنیا و آخرت میں اُن کے لئے کچھ تھا ہی نہیں ۔)

دعاۃ مطلقین (قدس اللہ ارواحہم) کا دستور تھا کہ وہ محرم الحرام کے عشرۂ مبارکہ میں مجلس منعقد کیا کرتے تھے ۔ وہ مجلسیں حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر سوگواری کا اظہار کرنے کے لئے ہوتی تھیں ۔ انہیں جلالت و اکرام کے مالک پروردگار عالم کے خاص بندے یعنی آل محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاکیزہ علوم کا تذکرہ کرتے تھے ۔ اور اولیاء اللہ اور

اصفیاء کرام کے تاریخی حالات بیان فرماتے تھے۔ اور سیّد الکونین کے نواسے حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب کا ذکر فرماتے۔ اور جو ثواب عظیم اور اجر وافر قربتاً الی اللہ ان مجلسوں میں شرکت کر کے امام حسین علیہ السلام پر رونے اور رلانے سے حاصل ہوتا ہے اس کا ہدایت آفریں ذکر فرماتے تھے۔ اسی طرح اُن کی قائم کئے ہوئے رواج کے مطابق ان عظیم دنوں میں ہر چھوٹے بڑے شہر میں جہاں اہل ایمان بستے ہیں ایسی مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔ مومنین اس میں حاضر ہوتے ہیں تاکہ وہ اولیاء اللہ کے علوم حاصل کریں۔ اُن کے سامنے خاصانِ خدا کی ذکر کئے جاتے ہیں۔ اور لوگ مجالس عزا میں حاضر ہو کر آخرت کے لئے بڑا ثواب حاصل کرتے ہیں۔

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک روایت میں ان مجالس دعوت وہدایت اور عزا میں شرکت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ وہ روایت یہ ہے:۔ قال لبعض شیعتہ تحدثوا عنا واجتمعوا فی مجالسکم علیٰ ذکرنا فما من قوم من اهل ولایتنا یجتمعون علی ذکر فضلنا ویتفاوضون فیما علموا من علمنا الا وهم لیسرحون فی ریاض الجنة واذ الملائکة لتظلهم وتستغفر لهم وانا الله لیقبل بوجهه رحمته علیهم۔ فرمایا آپ نے اپنے کسی شیعہ سے کہ

ہمارا ذکر کرو اور ہمارا ذکر کرنے کے لئے مجلسوں میں اکٹھے ہو جایا کرو۔ ہماری محبت رکھنے والی ہر جماعت جو ہمارے فضائل بیان کرنے کے لئے یکجا ہوتی ہے، اور ہمارے علوم کا چرچا کرتی ہے وہ گویا جنت کی سیر کرتی ہے اور ملائکہ ان پر سایہ کئے رہتے ہیں، ان کی مغفرت چاہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا رُخ ان کی طرف کر دیتا ہے۔

مومنین! خدا تم کو فریب اور بغض کی آلودگی سے پاک کرے اور جو دنیا میں فساد پیدا کرتے ہیں ان کے طریقہ پر عمل کرنے سے روکے۔ جان لو کہ اللہ نے دنیا کو اپنے مخصوصین کے لئے دار الامتحان قرار دیا ہے۔ ان کی زندگی اس دنیا میں تلخیوں سے بھری ہوئی ہے۔ لہٰذا تم میں سے اگر کسی پر ایسی مصیبت نازل ہو جائے جیسی محمد کی آل پاک پر، ان مبارک ایام میں گمراہ لوگوں کے ہاتھوں سے نازل ہوئی تھی، اور اگر امتحان لیا جائے ایسی مصیبت سے جس میں سرکشوں اور جاہلوں کی تلوار کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو تمہیں خدا کے اس قول کی طرف رجوع ہونا چاہیئے "انا للہ وانا الیہ راجعون"

مومنین! میں تم کو پرہیزگاری و بندگی، خوف خدا اور اس قوم سے برائت کی تلقین کرتا ہوں جس نے اپنے ولی کی امانت کھو دیا۔ اور اپنے نبی کی اہل بیت کا قتل عام کیا۔ اور انھوں نے اپنے طبقہ کے علما و فضلا کو اپنا

سرپرست بنالیا، اور جن کو چاہا منبر و محراب کا عالم بنا دیا۔ وہ لوگ جو امت کی طرفداری کی بناء پر امام بن بیٹھے بڑے عذاب میں پڑ گئے ہیں، کیونکہ یہ اختیار صرف پیدا کرنے والے کو ہے کہ وہ اپنے بندوں کے لئے ایسے لوگوں کو چن لے جو اُن کے لئے بہتر ثابت ہوں۔ یہی لوگ امام برحق ہیں۔ پرہیزگار اور نیک اطوار ہیں۔ اور جو لوگوں کی طرفداری کی بنا پر امام ٹھہرتے ہیں وہ درحقیقت کم نصیب اور برائی میں گھر جانے والے ہیں۔

کاش کہ کوئی بتائے کہ کیا یہی اجر رسالت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی سے منبر و محراب کے معاملہ میں نزاع کی جائے؟ اور محمدؐ کی بیٹی کے حق وراثت سے انکار کیا جائے، جو قرآن مجید کی رو سے ثابت ہے۔ ہاں! کیا یہی اجر رسالت ہے کہ رسول کے پارۂ جگر کو قتل کر کے رسول کا دل ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے؟ ان کی بیٹیوں کو قید کیا جائے، اور بیٹوں کو ذبح کر دیا جائے؟

افسوس! کہ ایک کے دل کو زہر دے کر ٹکڑے کر دیا اور دوسرے کے جسم کو چٹیل میدان میں روند ڈالا۔ اساری اہل بیت کو بے کجاوہ اونٹوں پر بٹھا دیا گیا اور محمد کی بیٹیوں کو نامحرموں کے سامنے لا کھڑا کیا گیا۔

چنانچہ (لکھا ہے) کہ جب امام حسن علیہ السلام کی شہادت ہوئی تو

منصب امامت پر حضرت امام حسین علیہ السلام فائز ہوئے۔ اس امر کو ظاہر کیا اور لوگوں کی طرف رجوع کیا۔ مومنین نے آپ کی امامت و ولایت کا اقرار کیا۔ پھر جب امیر معاویہ کا انتقال ہوا تو یزید کو بادشاہ بنایا گیا۔

کہا جاتا ہے جب امیر معاویہ کی بیماری مرض الموت کی صورت اختیار کر گئی اور لوگ ان کو کروٹ پھرانے لگے تو امیر معاویہ نے کہا کہ ہائے تم کس کو کروٹ بدلواتے ہو کاش خدا اس کو نجات دے۔ اور انھوں نے کہا کہ اگر یزید کی محبت میں میں پاگل نہ ہو گیا ہوتا تو ہدایت کا راستہ میرے سامنے تھا۔ جب بیماری اور سخت ہو گئی تو انھوں نے اپنے خاص معالج سے جو ایک طبیب نصرانی تھا کہا کہ "ارے بدبخت میرا مرض بڑھتا جا رہا ہے۔ کیا اب تیرے پاس کوئی علاج باقی رہ گیا ہے"۔ اس نے کہا نہیں خدا کی قسم اب کوئی چارہ نہیں ہے ہاں ایک سونے کی صلیب ہے جو کسی مریض کے گلے میں ڈال دی جائے تو اسے شفا یقیناً ہو جاتی ہے۔ اس طبیب نے امیر معاویہ کے گلے میں وہ صلیب ڈالدی ..... اور وہ انتقال کر گئے۔

امیر معاویہ اپنی زندگی ہی میں یزید کے لئے بیعت لے چکے تھے۔ حالانکہ لوگوں نے شدید مخالفت کی تھی۔ بعض صحابہ نے تو یہاں تک کہا کہ معاویہ (اسلام میں) ہرقلیت پیدا کر رہے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور عبداللہ ابن جعفر کا ایک دن امیر معاویہ کے دربار میں ساتھ ہو گیا جب وہ دونوں وہاں سے چلے تو ابن جعفر نے کہا "اے فرزند رسول مجھے یزید سے کچھ کام ہے۔ آئیے میرے ساتھ اس سے ملنے۔ آپ نے فرمایا "اچھا!" وہ دونوں بزرگوار یزید کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ وہ شراب پی رہا ہے۔ اور مسلم بن عمرو باہلی اُسے گانا سنا رہا ہے، اور طنبورہ بجا رہا ہے، کہا جاتا ہے کہ مسلم باہلی پہلا شخص ہے جس نے بصرے میں ناصبی گانے گائے۔ یزید نے نشہ میں ان دونوں بزرگوار کو بھی شراب نوشی کی دعوت دی۔ جب امام حسین علیہ السلام نے یہ دیکھا تو انھیں بہت برا لگا۔ یزید نے شراب پلانے والے سے کہا ان دونوں کو بھی شراب دو۔ حسین علیہ السلام نے نفرت کی نگاہ سے دیکھا تو پلانے والا ہیبت زدہ ہو گیا۔ پھر یزید نے مسلم سے کہا کہ اے مسلم مجھے گانا سنا۔ اس نے گانا شروع کیا۔

الا یا صاح للعجب — دعوناہ فلم یجب

الی القینات واللذات — والشہوات والطرب

وفیهن التی تبلت — فؤادک ثم لم تتب

(سن اے دوست کتنی حیرت کی بات ہے کہ ہم نے اُن کو دعوت دی عیاشی، شہوت اور ناچ گانے میں شرکت کی، مگر انھوں نے ٹھکرا دیا۔ حالانکہ

یہ باتیں ایسی تھیں کہ انھوں نے تیرے دل کو مسحور کر لیا ہے لیکن تو نے چھوڑا نہیں ہے)

یہ گانا اس وقت سنایا گیا تھا جب امیر معاویہ یزید کی بیعت کے لئے مسلمانوں سے وعدہ لے چکے تھے۔ امام حسین نے فرمایا کہ میں خداوند تعالی سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تجھے خلافت دی گئی اور میں زندہ رہا اور تجھے اس عالم میں دیکھا تو حلوا رچل جائے گی۔ آپ غصہ کے مارے کھڑے ہو گئے اور باہر نکل آئے عبداللہ ابن جعفر بھی ساتھ ہی چلے آئے۔ جب یہ دونوں پیٹھ پھیرے جا رہے تھے، یزید نے سلم سے کہا کچھ اور گا۔ اس نے گانا شروع کیا۔

تحمل اهلها عنها فبانوا علىٰ اثار من ذهب العقائر

(اس کے ساتھیوں نے کجاوے کس لئے اور اس سے جدا ہو کر چلے، ان کے نقش قدم پر مٹی ڈال دے۔ اس پر امام حسینؑ نے مڑ کر فرمایا "اے ملعون تجھ پر خاک پڑے۔)

یزید میں کوئی برگزیدہ فضیلت نہ تھی جسکی بنا پر وہ خاص و عام کے نزدیک مستحق خلافت قرار پاتا۔ اس کے علاوہ وہ بہت بد اطوار تھا اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا نہ اس معاملہ میں اس کا بچاؤ کیا جا سکتا ہے۔ اور جیسے اس کے آباؤ اجداد نے ظاہرہ اسلام قبول کیا اور کفر کا عقیدہ رکھتے رہے، اسی طرح یزید بھی کرتا رہا ــــــــــ

ایک دن اس کے سامنے رسالت مآب کا ذکر کیا گیا تو اس نے یہ شعر پڑھا ــــــــ

تلاعب بالبریہ ہاشمی بلا وحی اتاہ ولا کتاب

ایک ہاشمی نے لوگوں کے ساتھ کھیل کھیلا۔ نہ اس پر وحی نازل ہوتی تھی نہ کتاب۔

یزید کے بارے میں امام زین العابدین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ وہ مسلمانوں کی گردن پر سوار کرا دیا گیا جبکہ وہ چھوکرا تھا۔ شراب پیتا تھا اور کتوں سے کھیلتا تھا۔ (یہ ایک بڑی روایت کا ٹکڑا ہے)۔

امیر معاویہ کی موت اور یزید کی حکومت کا آغاز ۶۰ھ میں ہوا۔ جب امیر معاویہ کے مرنے کی خبر مدینے پہونچی ہے اس وقت مدینہ میں مروان ابن حکم اور سعید ابن العاص امیر معاویہ کے نمایندے تھے اور لوگوں کو یزید کی بیعت کی دعوت دے رہے تھے۔

سعید ابن عمر بشیر ابن غالب کی سند سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ ایک روز میں امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں تھا کہ اچانک ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ اے ابو عبداللہ میں نے سنا ہے کہ ایک شخص امیر معاویہ کی موت پر بین و بکا کر رہا تھا۔ امام حسین نے فرمایا کہ خدا اس کے آنسو نہ سکھائے اور اس کے

غم کو دور نہ کرے۔ اور نہ اس کے حزن و ملال کو ختم کرے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کے بعد بدترین شخص آنے والا ہے۔ مٹی پڑے اس کے ہاتھ اور منہ میں خدا کی قسم وہ اُن میں سے ہے جنکو ندامت ہی اٹھانا پڑتی ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام لوگوں کو خدا کی وحدانیت، اسکی عبادت اور اپنے نانا کی شریعت کی طرف اپنے جن نمایندوں کے ذریعہ بلاتے رہے۔ ان کے نام یہ ہیں:۔
صدیر الصیرفی۔ محمد بن ابی زینب۔ جابر بن قنذی۔ رشید الفخری۔ خالد بن معمر۔ عطیہ بن لبشر۔ عبداللہ بن ہاشم۔ مرقال بن المنہال۔ مسلم ابن عقیل۔ ہانی بن عروہ۔ ابراہیم بن المعلیٰ اور ابو ابراہیم ہمدانی۔

جب امیر المومنین حسین ابن علی علیہ السلام نے ظالموں کا غلبہ دیکھا اور یہ دیکھا کہ حکومت کے لئے آپس میں چھینا جھپٹی ہو رہی ہے۔ اور اسلام کے امور ان کم ظرف چھوکروں کے ہاتھ میں آگئے ہیں؛ جو سراسر دوزخی اور فاجر لوگوں کی اولاد ہیں۔ یہ اُن کی اولاد ہیں جن پر خدا کی لعنت ہوئی ہے۔ جنگ احزاب کے بقیۃ السیف کفار کی اولاد ہیں۔ حسین کو جوش آگیا۔ اللہ کے لئے اور اسلام کے لئے۔ آپ کمربستہ ہو گئے۔ خدا کے وعدے کو پورا کرنے کے لئے۔ اور اس فوز عظیم کے لئے جو آپ کی شہادت سے حاصل ہونے والا تھا۔ سعادتِ قربت الٰہی کی منزلیں سر کرنے کے لئے باوجودیکہ آپ سرکشوں کے رد کے لئے

سے بخوبی واقف تھے، دشمنان خدا جو خود گمراہ تھے، اور لوگوں کو گمراہ کرتے تھے ان کے سلوک کا بھی آپ کو اچھی طرح علم تھا۔ کیونکہ لوگوں نے آپ کو متعدد بار وہ باتیں بتائی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی تھیں۔ یوں بھی آپ کو ان باتوں کا علم کیسے نہ ہوتا آپ خود بھی تو نبی اللہ اور وصی رسول اللہ کے علم کے وارث تھے۔ آپ نے یزید کی بیعت سے گریز کیا۔ آپ کے گرد آپ کے دوست اور آپ کے اہل بیت جمع ہو گئے۔ اور اہل کوفہ کے خطوط پہونچنے لگے۔ جن میں کوفہ آنے پر اصرار تھا۔ اور اُن کے پاس پہونچنے کا مطالبہ تھا۔ وہ وعدہ کر رہے تھے کہ آپ کی نصرت کریں گے۔ اور ظالموں سے آپکی گلوخلاصی کرانے میں آپ کا ساتھ دیں گے۔ آپ نے ان کے پاس خود اپنے جانے سے پہلے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو تیار کیا تاکہ وہ ان کو آپ کے ان فضائل کو سنا دیں جن کے آپ ہر طرح اہل ہیں۔ اور اُن تک آپ کے پیغام کو پہونچا دیں۔

مسلم ابن عقیل رضی اللہ عنہٗ چھپتے چھپاتے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے اور یہ بھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ آپ کس کام سے جا رہے ہیں۔ چنانچہ کوفہ کے لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ اور آپ نے اُن سے امام حسین کے لئے بیعت لے لی۔ یہ خبر نعمان ابن بشیر انصاری کو پہونچی۔ جو کوفہ میں یزید ابن معاویہ کی طرف سے عامل

مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے کہا ہمارے لئے رسول کی بیٹی کا بیٹا۔ بجدل کی بیٹی کے بیٹے سے بہتر ہے۔ انھوں نے اس امر سے ہاتھ اٹھا لیا اور کسی بات پر معترض نہیں ہوئے۔ دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور لوگوں نے بعیت کر لی۔ یہ خبر یزید کو پہونچی اس نے عبیداللہ ابن زیاد کو لکھا کہ میں نے تم کو بصرے کے ساتھ کوفے کا بھی حاکم بنا دیا ہے۔ اور وہاں کی عمالی بھی تم کو دے دی۔ لہٰذا حسینؑ کے پہونچنے سے پہلے کوفے پہونچ جاؤ۔ وہاں مسلم بن عقیل پہلے سے موجود ہیں۔

ابن زیاد اہل بصرہ کو ساتھ لے کر چلا، چہرے پر نقاب ڈال کر بھیس بدلے ہوئے کوفہ میں داخل ہوا۔ اہل کوفہ نے سمجھا یہ امام حسین ابن علی ہیں۔ انھیں دھوکا ہوا جسطرف سے وہ گذرا لوگوں نے اس کا استقبال السلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر کیا۔ اسی طرح دھوکا دیتا ہوا وہ قصر امارت میں پہونچ گیا۔ نعمان ابن بشیر اس میں موجود تھا۔ اس نے بھی یہی سمجھا کہ حسین ابن علی آ گئے ہیں۔ اس نے کہا۔ اے فرزند رسول" تمام شہروں کو چھوڑ کر ہمارے ہی شہر میں آنے پر آپ کو کس بات نے آمادہ کیا۔ عبیداللہ ابن زیاد نے نقاب الٹ دی۔ اور کہا" تو بہت سویا اے ابن بشیر تو بہت سویا۔ جب نعمان نے یہ سنا تو وہ پہچان گیا اور اس نے قصر امارت کا دروازہ کھول دیا۔

حضرت مسلم بن عقیلؓ عوسجہ کے گھر میں قیام پذیر تھے۔ جب ابن زیاد آگیا تو حضرت مسلم حضرت ہانی بن عروہ مرادی کے گھر منتقل ہو گئے۔ اور آپ نے اپنے آپ کو عبیداللہ ابن زیاد سے چھپا ڈالا۔ عبیداللہ ابن زیاد نے ارادہ کیا کہ آپ کا پتہ چلائے۔ اس کام کے لئے اس نے اپنے غلام معقل کو بلایا۔ اور اسکو تین ہزار درہم دیے اور کہا کہ جا اس کا پتہ چلا جس کے ہاتھ پر اہل کوفہ نے بیعت کرلی ہے۔ اور اپنے آپ کو ان کا دوست بنا کر پیش کر۔ اور یہ سرمایہ اُن کے حوالے کر دے تاکہ وہ زور پکڑیں۔ اور اسکی اطلاع مجھے دیتا رہ۔ یہ ملعون غلام شیعیت کا ڈھونگ رچانے لگا۔ اور اس طرح مسلم ابن عقیل تک رسائی حاصل کرلی۔ (جب وہ پہونچا ہے) اس وقت آپ کے پاس ہانی بن عروہ بھی تھے۔ اس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سارا مال آپ کے حوالے کردیا۔ اور آپ سے منافقت کی۔ محبت اہل بیت کا اظہار کیا۔ اور عبیداللہ ابن زیاد کو خبر پہونچاتا رہا۔ اور یہ اطلاع بھی دیدی کہ مسلم ابن عقیل ہانی بن عروہ کے گھر میں چھپے ہوئے ہیں۔ ابن زیاد نے محمد ابن اشعث کو ہانی ابن عروہ کے گھر بھیجا، وہ ہانی کو عبیداللہ کے پاس بلا لایا۔ جب ابن زیاد نے ہانی کو دیکھا تو کہا "اے ہانی! مسلم کہاں ہیں؟" انھوں نے کہا "مجھے نہیں معلوم"! ابن زیاد کا وہ

ملعون غلام آیا جس نے اُن کو وہ درہم دیے تھے ۔ اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ مسلم انھیں کے گھر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ جب ہانی نے اس غلام کو دیکھا تو پریشان ہوگئے ۔ اور کہا کہ "خدا کی قسم میں نے ان کو دعوت نہیں دی"۔ بلکہ وہ خود میرے گھر میں آکر رہنے لگے ہیں ۔ (اور حقیقت یہ ہے کہ) جب ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کو طلب کیا تو مسلم ابن عقیل نے اپنی قیام گاہ بدل دی۔ ابن زیاد نے ہانی بن عروہ سے کہا کہ مسلم کو گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ، جس کے عوض میں تمہیں مجھ سے اور یزید سے خلعت، دولت اور عزت ملیگی۔

ہانی نے جواب دیا" خدا کی قسم اگر مسلم میرے پیروں کے نیچے ہوتے تو اپنے پیر اُن پر سے نہ اٹھاتا، تاکہ (وہ تیرے ہاتھ لگیں۔) ابن زیاد نے مار کر آپ کا سر پھوڑ دیا۔ ہانی نے ایک سپاہی کی تلوار جھپٹ لینا چاہی مگر وہ ہٹا دیا گیا۔ (اس دوران میں) ہانی کی خبر لینے کے لئے ایک مجمع قصر کے دروازے پر اکٹھا ہو گیا تھا۔ قاضی شریح باہر آئے اور انھوں نے کہا کہ ہانی سلامت ہیں۔ انھیں کوئی تکلیف نہ پہونچے گی۔ اور لوگ منتشر ہو گئے۔

ہانی پر جو کچھ گذری اسکی اطلاع مسلم ابن عقیل کو ہوئی ۔آپ نے اپنے منادی کو حکم دیا کہ حسب دستور وہ آواز لگائے ۔ تقریبا چار ہزار کوفی آپ کے گرد جمع ہو گئے ۔ آپ نے اُن کی صف بندی کی اور قصر امارت کی طرف روانہ

ہوئے۔ ابن زیاد کے پاس سرداران کوفہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے اُن سے کہا کہ جاؤ اور اپنے تابعین کو مسلم کے پاس سے ہٹالو ورنہ تمہاری گردنیں اڑا دی جائیں گی۔ وہ لوگ باہر نکلے اور لشکریوں کو شامی فوج کی آمد سے ڈرایا۔ ان میں سے ہر ایک اپنے تابعین کو سمجھانے لگا یہاں تک کہ رات ہوگئی اور لوگ مسلم کو چھوڑ کر چلے گئے۔ آپ تن تنہا رہ گئے۔ نہ یہ معلوم تھا کہ کون سا راستہ کہاں جاتا ہے نہ یہ معلوم کہ کہاں جانا چاہیئے۔ ایک بڑھیا سے آپ ملے اور اس سے پانی طلب کیا۔ اس نے آپ کو سیراب کیا اور دریافت کیا کہ تم کون ہو آپ نے فرمایا میں مسلم ابن عقیل ہوں۔ اس نے آپ کو اپنے گھر کے اندر بلایا۔ اور ایک کمرے میں چھپا دیا۔ عبیداللہ ابن زیاد آپ کی تلاش میں لگا رہا۔ اور جو شخص آپ کے بارے میں ذرا بھی اطلاع دیتا اُسے وہ مالامال کر دیتا۔ وہ بوڑھی عورت جس نے آپ کو پناہ دی تھی ابن اشعث کے غلام کی ماں تھی۔ اس نے اپنے بیٹے کو حضرت مسلم کے بارے میں بتا دیا۔ اس غلام نے اپنے مالک سے کہہ دیا۔ ابن اشعث نے ابن زیاد کو خبر دی۔ خدا کی لعنت ہو ان دونوں پر کہ عبیداللہ ابن زیاد نے محمد ابن اشعث کو ایک لشکر دے کر اس کا سردار بنا کر بھیجا۔ مسلم کو اطلاع نہ مل سکی۔ ان لوگوں نے آپ کے گھر کو گھیر لیا۔ حضرت مسلم نے اُن پر غضبناک شیر کی طرح حملہ کیا۔ صبح سے شام تک لڑتے رہے، اور اپنا

بچاؤ کرتے رہے۔ بہتوں کو واصل جہنم کیا۔ ان لوگوں کو جب یقین ہو گیا کہ اب وہ ایسی طاقت اپنے ساتھ نہیں رکھتے تو پوچھا گیا تم امان چاہتے ہو۔ اور محمد ابن اشعث نے اس شرط پر امان دیدی کہ آپ کوفہ سے نکل جائیں اور حسین ابن علیؓ کے پاس چلے جائیں۔ جب آپ ان کی باتوں میں آگئے تو ابن اشعث نے آپ کے ساتھ دھوکا کیا۔ اور آپ کی زرہ اور تلوار چھین لی۔ عبیداللہ ابن زیاد کے پاس لے آیا۔ عبیداللہ نے حکم دیا کہ قصر امارت کی طرف آپ کو لے جایا جائے۔ جہاں آپ کی اور ہانی بن عروہ کی گردن اڑادی گئی۔ اللہ کی رحمت ان دونوں پر نازل ہو۔ اور قصر کی بلندی سے لاش پھینک دی گئی۔ اور دونوں کے اجسام کو گھوڑے پر ڈال دیا گیا۔ ابن زیاد نے یزید کے پاس ہانی اور مسلم کے سر روانہ کر دیے۔ مسلم کا سر پہلے ہاشمی کا سر ہے جو اسلام میں نیزے پر بلند کیا گیا۔

جس رات کو لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی تھی، اسی رات کو امام حسینؑ مدینے سے نکل گئے تھے۔ کیونکہ آپ کے پاس اہل کوفہ کے خطوط بڑی کثرت سے آئے تھے۔ جن میں لکھا تھا کہ:۔

"اے رسول اللہ کے فرزند اور اس کے وصی کے فرزند ہم میں ظلم و جور پھیل گیا ہے، ہم پر سنت رسول اور کتاب خدا کے خلاف احکامات جاری کئے جاتے ہیں،

ہم امید دار ہیں اس کے کہ خدا آپ کے صدقے میں ہم کو حق پر جمع کر دے۔ اور ہم پر سے یہ ظلم کے بادل ہٹا دے۔ آپ یزید سے زیادہ حقدار خلافت ہیں۔ اس نے تو امت کے حقوق غصب کر لئے ہیں۔ اور شراب پی کر طنبورے سے کھیلتا ہے۔ اور مذہب کو کھلونا بنائے ہوئے ہے"۔ اسی بنا پر آپ نے ان کی طرف مسلم ابن عقیل کو روانہ کیا تھا۔

جب آپ نے مدینہ چھوڑنے کا قصد کر لیا تو آپ اپنے نانا رسول خدا کی قبر پر تشریف لے گئے۔ آخری بار زیارت کرنے کے لئے اور اس سے رخصت ہونے کے لئے۔ آپ (قبر سے لپٹ کر) خوب روئے۔ یہاں تک کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ (اس حالت میں) آپ نے رسول اللہ کو خواب میں دیکھا کہ آنحضرتؐ نے آپ کو سینے سے لگا لیا ہے۔ اور شہادت کی بشارت دے رہے ہیں ——————— !

آپ رجب المرجب سنہ ۶۰ھ کو مدینے سے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ شعبان کے مہینے میں مکہ معظمہ پہونچے۔ وہاں آپ نے شعبان سے لیکر رمضان شوال۔ ذیقعد کے مہینے تک قیام کیا۔ اور اہل کوفہ کے خطوط اس دوران میں لگاتار اور بڑی تعداد میں آتے رہے۔ جن میں انھوں نے لکھا تھا کہ اگر آپ ہمارے پاس نہ آئے تو اس کا گناہ آپ کے سر ہوگا۔ مسلم بن عقیل نے

آپ کے پاس لکھا تھا کہ یہاں ایک لاکھ تلوار آپ کی نصرت کے لئے بے نیام ہے آپ تاخیر نہ کیجئے۔ امام حسین ع نے عزم سفر کیا۔ عبداللہ ابن عباس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کہا اہل کوفہ نے تمہارے باپ کو قتل کیا۔ اور تمہارے بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اور ان کو نیزہ مارا۔ ان کو لوٹ لیا اور دشمنوں کے حوالے کر دیا اور جو کچھ کیا سب کچھ تو ظاہر ہے۔ امام حسین ع نے فرمایا کہ یہ ان کے خطوط ہیں۔ اور یہ اُن کے مراسلات ہیں۔ دشمنان خدا سے جنگ کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے جو میرا اور اُن کا حال ہونے والا ہے۔

ابن عباس رو پڑے۔ امام علیہ السلام سے کہا کہ اگر آپ نے اس ڈر سے کہ آپ کی جان کو خطرہ ہے مکہ میں قیام کرنا مناسب نہیں سمجھا تو آپ یمن تشریف لے جائیے۔ وہاں آپ کے لئے گوشۂ عافیت مل جائے گا۔ اور وہاں ہمارے ہمارے ساتھی بھی ہیں۔ اور وہاں قلعہ اور گھاٹیاں بھی ہیں۔ اور کوفیوں کو لکھیئے کہ وہ اپنے امیر کو برطرف کر کے آپ کے نائب کے حوالے کر دیں، تب آپ وہاں تشریف لے جائیے۔ اگر آپ اس حالت میں گئے تو مجھے آپ کی جان خطرے میں معلوم دیتی ہے۔ اگر آپ ایسا کرنا مناسب نہ سمجھتے ہوں تو آپ اپنی اولاد اور اہل حرم کو یہیں چھوڑ جائیے۔ کیونکہ میں کچھ خطرہ محسوس کرتا ہوں۔

بالآخر جب ابن عباس اس امر سے مایوس ہو گئے کہ آپ مکہ ہی میں قیام کریں تو آپ کو روتے ہوئے رخصت کر دیا۔

پھر عبداللہ ابن زبیرؓ امام حسین علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ سے کہا کہ اگر آپ یہاں رہ جائیں تو ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں چونکہ آپ خلافت کے مستحق یزید سے زیادہ ہیں۔ ابن زبیر نے یہ بات اس لئے کہی کہ امام حسینؑ جانے پر بالکل آمادہ ہیں۔ مگر امام حسینؑ نے کہا کہ مجھے نانا رسول اللہ کا یہ قول روکتا ہے انہ یستحل الحرم من اجل رجل من قریش (ایک قریشی کی موت سے کعبہ کی بے حرمتی ہوگی) خدا کی قسم میں وہ شخص نہیں بننا چاہتا جس سے خانہ کعبہ کی بے حرمتی ہو۔ اب جو مقدر میں ہو گا وہی ہو گا۔ چنانچہ جس شخص کے خون سے خانۂ کعبہ کی بے حرمتی ہوئی وہ عبداللہ ابن زبیر تھے۔

جب امام حسین علیہ السلام مکہ سے روانہ ہونے لگے تو محمد ابن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے ملکر بہت روئے۔ اور درخواست کی کہ امام حسین علیہ السلام وہیں یعنی مکہ میں رہیں۔ آپ نے اُن کی فرمایش سے روگردانی فرمائی اور یہ اشعار پڑھے۔

سامضی وما فی الموت عار علی الفتیٰ ۔۔۔ اذا ما نوی خیرًا وجاھد مسلما

وواسی الرجال الصالحین بنفسہ ۔۔۔ وفارق مثبورا وخالف مجرما

فان عشت لم اذم وان مت لم الم کفیٰ بك عاراان تعیش وترغما

جن کا مطلب یہ ہے کہ میں عنقریب چلا جاؤں گا (مرنے کے لئے) کیونکہ بہادر کو موت سے کوئی عار نہ ہونا چاہیئے (خصوصاً) جبکہ وہ کسی نیک کام میں اور اسلامی جہاد کرنے میں آئے۔ جو امر صالح کرتا ہے اسکی مدد اپنے تن من سے کرنا چاہیئے۔ جو فاسق و فاجر ہوں ان سے علیحدہ ہو کر جو لوگ خیر پر ہیں ان کا ساتھ دینا چاہیئے۔ (اس مقصد کے لئے) اگر میں زندہ رہا تو میری مذمت نہ ہوگی اور اگر مر گیا تو ملامت نہ کی جائے گی۔ میرے لئے ذلت کی زندگی بسر کرنا سب سے بڑا عیب ہے، پھر آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

وکان امر اللہ قدراً مقدوراً یعنی اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے وہ ہو کر رہیگا۔ امام حسین نے اپنے اعزار اور دوستوں پر حضرت محمد بن حنفیہ کو نگراں مقرر فرمایا اور وصیت کی کہ میرے بعد یہ امر امامت میرے لڑکے امام علی زین العابدین کے حوالے کر دینا۔

اس کے بعد آپ مکہ سے عراق کا سفر کرنے کے لئے روانہ ہو گئے مکہ میں اس دن تک آپ نے شعبان کا آخری حصہ رمضان۔ شوال، اور ذلقعدہ کے پورے مہینے اور ذی الحجہ کی آٹھ راتیں بسر کی تھیں۔ اسی دن کوفہ میں حضرت مسلم سے مقاتلہ ہوا تھا۔ اور یہ دن دوشنبہ ۸ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ تھا

میں عرفہ کے دن ان کو شہید کیا گیا تھا۔

حضرت امام حسین ؑ کے دوران قیام مکہ میں حجاز اور بصرہ کے بہت سے لوگ جو آپ کو دوست رکھتے تھے آپ کے ساتھ اکٹھا ہو گئے تھے۔ جب عراق جانے کا آپ نے فیصلہ کر لیا تو آپ نے حرم بیت اللہ کا طواف فرمایا اور صفا اور مروا کے درمیان سعی کی اور حج کو عمرہ سے بدل دیا۔ مکہ میں گھر جانے کا ایسا ڈر تھا کہ آپ فریضۂ حج ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اور فوراً عراق کی طرف برفتار تیز روانہ ہو گئے۔

فرزدق کا بیان ہے کہ "میں مکہ کے راستہ میں امام حسین علیہ السلام سے ملا۔ نزدیک آ کر آپ کو سلام کیا۔ اور کہا اے فرزند رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان، کس سبب سے حج کے موسم میں آپ نے (مکہ چھوڑ دینے میں) جلدی کی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں بعجلت وہاں سے نہ نکل آتا تو گرفتار کر لیا جاتا۔ پھر امام حسین علیہ السلام سے پوچھا کہ جن لوگوں کو تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو ان لوگوں کا کیا حال ہے۔ فرزدق نے بتایا" لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں آپ کے خون کی پیاسی ہیں۔ امام حسین نے فرمایا کہ جیسی موت میں پسند کرتا ہوں اگر وہ آجاتی ہے تو خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ اور اگر موت ٹل جاتی ہے، حالانکہ اسکی امید نہیں ہے تو اس شخص کو حد سے متجاوز نہیں

کہا جا سکتا جسکی نیت بخیر ہو اور جس کا شعار پرہیز گاری ہے۔

حضرت عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں عون اور محمد کو حضرت امام حسینؑ کے پیچھے روانہ کر دیا۔ اور ایک خط لکھا کہ آپ جلدی نہ کریں، ہم بھی آ رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن جعفر عمر ابن سعید کے پاس آئے اُن سے ایک امان نامہ لکھا کر اپنے بھائی یحییٰ ابن جعفر کے ساتھ حضرت امام حسین کیساتھ مدینے سے آ کر راستہ میں ملے۔ اور انھیں واپس لانے کی کوشش کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسول اللہ کو خواب میں دیکھا ہے، آپ نے مجھے اس امر کا حکم فرمایا ہے جسکو پورا کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔ عبداللہ ابن جعفر جب مایوس ہو گئے تو آپ نے اپنے دونوں فرزندوں یعنی عون و محمد کو حکم دیا کہ وہ امام امام کا ساتھ نہ چھوڑیں۔ اور آپ پر قربان ہو جائیں۔ عبداللہ ابن جعفر اور یحییٰ ابن جعفر گھر واپس چلے آئے۔

امام حسین علیہ السلام نہایت تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے تمیم پہونچے۔ وہاں سے آپ ذات عرق پہونچے اور ظہر کا وقت ثعلبہ میں گذارا۔ وہاں آپ زمین پر سر رکھ کر سو گئے۔ آپ نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو کہہ رہا ہے "انتم تسیرون والمنایا تسیر بکم الی الجنۃ۔" تم لوگ جا رہے ہو اور موت تم کو جنت کی طرف لے جا رہی

ہے (پھر آپ نے جاگ کر کلمۂ ترجیع کی تلاوت فرمائی) توحضرت علی اکبر نے سوال کیا اے بابا! ہم حق پر نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا" اے بیٹے ہم حق پر ہیں۔ علی اکبر نے فرمایا" پھر ہمیں موت کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

جب امام عالی مقام حاجر پہونچے تو آپ نے قیس بن مسہر کو اہل کوفہ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس وقت تک حضرت مسلم کی سنانی آپ تک نہیں پہونچی تھی۔ قیس کوفہ آئے تو ان کو گرفتار کر کے عبیداللہ کے دربار میں پیش کیا گیا۔ اس نے کہا منبر پر جاؤ اور (نعوذ باللہ) جھوٹے در جھوٹے حسین ابن علی کو برا بھلا کہو۔

قیس منبر پر گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔ پھر کہا اے لوگو! حسین ابن علی جگر گوشۂ رسول فاطمہ کے بیٹے متعلق خدا میں سب سے بہتر ہیں میں ان کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہوں۔ تم لوگ ان کی دعوت قبول کرو اور اُن کی نصرت کرو۔ پھر انھوں نے عبیداللہ اور اس کے باپ زیاد پر لعنت بھیجی۔ اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے لئے استغفار کیا اور اُن پر درود بھیجا۔ عبیداللہ نے اُن کو قصر امارت کی بلندی پر سے گرا دینے کا حکم دیا۔ انھیں وہاں سے گرا دیا گیا اور جسم پارہ پارہ ہوگیا۔

عبیداللہ ابن زیاد لعنت اللہ علیہ نے واقصہ میں جو شام اور بصرہ کے

درمیان ہے ناکہ بندی کا حکم جاری کر دیا تھا۔ اس کے سپاہی کسی کو کوفہ کے اندر داخل نہ ہونے دیتے تھے نہ باہر نکلنے دیتے تھے۔ قبیلہ اور بجلیہ کے لوگوں کا بیان ہے کہ ہم حضرت زہیر بن قین کے ساتھ مکہ سے لوٹ رہے تھے۔ ہم بھی حسینؑ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ایک مرتبہ حسینؑ نے راستہ میں ایک طرف منزل کی، ہم نے دوسری طرف وہیں منزل کی۔ ہم دوپہر میں کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک حسین کا قاصد آیا۔ اس نے کہا۔ "اے زہیر تم کو ابو عبداللہ حسین ابن علی بلاتے ہیں"۔ زہیر امام عالی مقام کی خدمت میں گئے۔ تھوڑی دیر میں وہ ہنستے ہوئے لوٹے اور ان کا چہرہ چمک رہا تھا۔ آپ نے اپنا خیمہ اور مال و متاع سمیٹنے کا حکم دیا اور اٹھا کر امام حسینؑ کے خیام کی طرف جانے لگے۔ اور اپنی بیوی سے کہا کہ میں تم کو طلاق دیتا ہوں اب تم اپنے عزیزوں کے پاس چلی جاؤ کیونکہ میں یہ نہیں چاہتا کہ آنے والی مصیبتوں میں تم کو مبتلا کر دوں۔ اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جو میرا ساتھ دینا چاہے وہ آخر تک ساتھ دینے کے لئے میرے ساتھ آسکتا ہے۔ میں تم سے ایک سچا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ ہم نے ایک مرتبہ دریا کے کنارے جنگ کی۔ اس میں خدا نے ہم کو فتح دی اور مال غنیمت بھی ملا۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ہم سے کہا کہ کیا تم اس فتح سے خوش ہوئے جس میں تم کو مال

غنیمت بھی ملا ہے۔ ہم نے کہا "ہاں" سلمان فارسی نے کہا "جب تم آل محمد کے نوجوانوں سے ملنا تو ان کے دوش بدوش لڑنا اور آج سے زیادہ اس دن خوشی منانا۔" اب میں تم سب کو خدا کے حوالے کرتا ہوں (کیونکہ بشارت کا وہ وقت آگیا ہے) لوگوں کا بیان ہے کہ اس کے بعد سے زہیر ابن قین اپنی شہادت تک امام حسینؑ کے ساتھ ساتھ رہے۔

پھر امام حسینؑ نے منزل زبالہ میں قیام فرمایا۔ وہاں مسلم ابن عقیل اور ہانی ابن عروہ کی شہادت کی خبر ملی۔ خبر دینے والے نے کہا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا کہ ان دونوں کی لاشوں کو پیروں میں رسّی باندھ کر بازاروں اور گلی کوچوں میں گھسیٹا جا رہا ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے انّا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور دونوں پر رحمت نازل ہونے کی دعا فرمائی ———— !

یہ آپ نے کئی مرتبہ دہرایا۔ امام حسین علیہ السلام سے لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں، آپ اپنے اہل بیت کے ساتھ یہاں سے واپس چلے جائیں۔ کیونکہ کوفہ میں نہ آپ کا کوئی دوست ہے نہ مددگار۔ بلکہ وہاں ہمیں آپ کی جان کا بھی خطرہ نظر آتا ہے۔ امام حسین نے عقیل کے بیٹوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا، ان سے پوچھا، تمہاری کیا رائے ہے۔ کیونکہ حضرت

مسلم شہید ہو گئے۔ انھوں نے کہا خدا کی قسم ہم بغیر بدلہ لئے نہ لوٹیں گے، یا ہم ان کا بدلہ لیں گے یا خود مٹ جائیں گے۔ تو امام حسین علیہ السلام مجمع کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ ان کے بعد تو زندگی میں کوئی مزہ ہی نہیں رہا۔

پھر جب قیس ابن مسہر کی شہادت کی خبر آئی تو آپ نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور ان سے کہا کہ ہمارے پاس بہت ہولناک خبریں آرہی ہیں۔ مسلم بن عقیل۔ ہانی بن عروہ اور قیس بن مسہر کی شہادت کی اطلاعات آچکی ہیں اور ہم کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے دوستوں نے ہمارے ساتھ بیوفائی کی ہے۔ لہٰذا تم میں سے جس کا جی چاہے بغیر کسی شرم یا خیال کے یہاں سے سے لوٹ جائے۔ بہت سے لوگ آپ سے الگ ہو کر داہنے بائیں چلے گئے۔ آپ کے ساتھ صرف وہ لوگ رہ گئے جو مدینے سے آئے تھے۔ اور کچھ وہ لوگ بھی تھے جو آپ سے دوران سفر میں مل گئے تھے۔ امام حسین ع نے اس لئے ایسا کیا کہ آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہ غریب جنھوں نے آپ کا ساتھ دینا چاہا تھا وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ امام حسین ایک ایسے شہر میں جا رہے ہیں جس کے باشندے آپ کے فرمانبردار ہیں۔ امام نے یہ نہ چاہا کہ آپ کی ہمراہ لوگ اس راستہ پر گامزن ہوں جسکی انھیں ذرہ برابر خبر نہیں ہے۔

اس کے بعد امام حسینؑ نے وادی عقبہ میں منزل کی۔ جہاں شیخ عکرمی سے

آپ کی ملاقات ہوئی۔ اس نے خدا کا واسطہ دے کر لوٹ جانے کے لئے کہا آپ نے فرمایا کہ یہ مشورہ مجھے دیا جا چکا ہے۔ لیکن اللہ کی مرضی کو ٹالا نہیں جا سکتا پھر آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم وہ لوگ (یعنی آپ کے دشمن) مجھے قتل کر کے چھوڑیں گے۔ جب وہ ایسا کر لیں گے تو اللہ ان پر اس شخص کو مسلط کر دے گا جو ہر طرح ان کی ذلت کرے گا۔ اور وہ دنیا میں ذلیل ترین جماعت بن کر رہ جائیں گے۔

وہاں سے چلنے کے بعد آپ صبح کے وقت شرق پہونچے اور وہاں نوجوانوں کو حکم دیا کہ وہ بہت سا پانی بھر لیں۔ پھر وہاں سے آپ چلے، یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا اتنے میں سامنے سے بھیڑوں کے دل کی طرح ایک لشکر آتا ہوا دکھائی دیا۔ جس کے نیزے چمک رہے تھے۔ اور اُن کے جھنڈے چڑیوں کے پروں کی طرح لہرا رہے تھے۔

یہ در اصل حر بن یزید تمیمی کی قیادت میں تقریباً ایک ہزار کا لشکر تھا (جو سامنے سے آ رہا تھا۔) حر اور اُن کا لشکر امام علیہ السلام کے سامنے دوپہر کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں کھڑا ہو گیا۔ امام حسین علیہ السلام نے (ان کی حالت پر ترس کھا کر) کہا ان لوگوں کو پانی پلاؤ۔ وہ لوگ پیالے اور مٹکے پانی سے بھرنے لگے۔ اور گھوڑوں اور سپاہیوں کو پلانا شروع کیا۔ حر امام حسین علیہ السلام

کے پیچھے پیچھے رہا۔ یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آیا تو آپ نے اذان دینے کا حکم دیا۔ اور لوگوں سے خطاب کیا کہ جب تمہارے خط میرے پاس پہونچے ہیں تو میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ اور جب تمہارے قاصد مجھے بلانے آئے تو میں آیا۔ تم نے اس بہانے سے مجھے بلایا کہ تمہارا کوئی امام نہیں ہے، شاید میری وجہ سے ہدایت کا راستہ مل جائے۔ اگر تم اب بھی اسی بات پر قایم ہو تو میں تمہارے پاس آگیا ہوں، اب تم وعدہ کرو کہ میری پیروی کروگے تاکہ مجھے اطمینان ہوجائے۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرتے اور میرے آنے سے تم ناخوش ہو تو میں وہاں لوٹ جاؤں جہاں سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ اور دوسری بہت سی دلیلیں پیش کیں جن پر وہ لوگ خاموش ہوگئے۔

پھر آپ نے اقامت کا حکم دیا۔ اور حُر سے پوچھا کیا تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ نماز پڑھوگے۔ حُر نے جواب دیا کہ نہیں ہم آپ کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ امام حسینؑ نے ان لوگوں کو نماز پڑھائی ہر شخص نے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑی اور اس کے سایہ میں بیٹھ گیا۔ پھر امام علیہ السلام نے اُن پر حجت تمام کی۔ اور دو خطوط سے بھرے ہوئے تھیلے نکالے اور ان لوگوں کے آگے پھیلا دیے۔ ان لوگوں نے اس امر سے انکار کرتے ہوئے کہ یہ خطوط انھیں کے ہیں) جواب دیا ہم آپ کو نہیں چھوڑیں گے اور کوفہ ابن زیاد کے

پاس لے چلیں گے۔ امام نے فرمایا موت ابن زیاد سے زیادہ نزدیک ہے۔

پھر امام حسین علیہ السلام چلے اور قصر بنی مقاتل میں آئے۔ وہاں سے بھی کوچ کا حکم دیا۔ اور منزل نینوا میں پہونچے۔ اس وقت عبید اللہ ابن زیادؓ کا قاصد یہ حکم لے کر پہونچا کہ حسین کو وہیں قیام کرنے پر مجبور کر دیا جائے جہاں وہ پہونچے ہیں۔ اور جہاں تک ہو سکے ایسی جگہ پر قیام کرائے جہاں بستی ہو نہ پانی ہو۔ حسین کا قافلہ محرم کی دوسری تاریخ جمعرات کے دن ۶۱ھ کو نینوا میں منزل کی۔ اور بہت مشہور روایت ہے کہ جب حسین کا گھوڑا آگے نہ بڑھا۔ آپ نے اس جگہ کا نام قریب کے رہنے والوں سے پوچھا۔ کسی نے نینوا کسی نے ماریہ کسی نے طف بتایا۔ اور دوسرے بہت سے نام بتائے۔ امام حسینؑ نے جب اُن بزرگ سے پوچھا تو اس نے بھی ایسا ہی بتایا۔ اس سے امام نے تاکیداً پوچھا کہ اس جگہ کا کیا نام ہے، جہاں گھوڑا ٹہر گیا تھا ہے اس نے کہا کربلا ہے۔ امام نے کہا یہ کرب وبلا ہے۔ اور اپنے اہل بیت اور ساتھیوں کو وہیں ٹہرنے کے لئے کہا، اور کہا "یہی ہماری آخری آرام گاہ ہے۔ یہیں ہمارا خون بہے گا۔ پھر آپ اُٹھے اور اپنے اصحاب سے خطاب کر کے فرمایا کہ تم دیکھ رہے ہو ہم پر مصیبت نازل ہو چکی ہے بلا شبہ دنیا بدل چکی ہے اس کی نیکی منہ موڑ چکی ہے۔ اور اب اس نے ہم سے پیٹھ پھرا لی ہے، اب

نیکی کا جو جزو باقی رہ گیا ہے وہ ایسا ہے جیسے کسی برتن کے خالی ہوجانے کے بعد تہہ میں سے دو چار بوند رہ گئی ہوں۔ اور زندگی ایسی پامال ہوگئی ہے جیسی چراگاہ کی سوکھی ہوئی گھاس۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق بات پر عمل نہیں کیا جارہا ہے۔ اور باطل کی طرف لوگ دوڑ رہے ہیں۔ ایمان والوں کو چاہیئے کہ اللہ سے ملنے کی تیاری کریں۔ میں موت کو سعادت سمجھتا ہوں۔ اور سرکش لوگوں کے ساتھ زندہ رہنا ذلت سمجھتا ہوں۔ زہیر ابن قین نے بتایا کہ ان لوگوں سے لڑلینا ہمارے لئے بہت آسان ہے بہ نسبت ان کے جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کے مقابلہ میں جنگ کی ابتدا نہیں کرنا چاہتا۔

دوسرے روز عمر ابن سعد بن ابی وقاص کوفے سے چار ہزار سواروں کا لشکر جرار لے کر پہونچا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے پیچھے پیچھے ابن زیاد نے ایک لشکر اور بھی بھیجا تھا۔ یہاں تک کہ محرم کی چھٹی تاریخ کو سب ملاکر تقریباً بتیس ہزار کا لشکر اکٹھا ہوگیا۔ انھوں نے حسین اور اُن کے ساتھیوں پر تمام راستے بند کردیے۔ اور نینوا میں رکے رہے۔ اور عمر بن سعد نے قرۃ بن قیس حنظلی کو بھیجا کہ حسین سے مل کر پوچھو کہ وہ کس لئے آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ وہ حسینؑ کے پاس آیا سلام کیا اور عمرو بن سعد کا پیغام پہونچایا

امام حسین علیہ السلام نے اس سے کہا کہ مجھے تمہارے شہر کے لوگوں نے ہی بلاوا بھیج کر بلایا ہے۔ اگر تم مجھے ناپسند کرتے ہو تو میں لوٹ جاؤں، قرۃ عمر کے پاس واپس آگیا اور اسکو یہ بات بتائی۔ اس نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ پروردگار عالم مجھے حسین کے ساتھ جنگ کرنے کا موقع نہ دیگا۔ اس نے ابن زیاد کو اطلاع دی کہ ابن زیاد نے کہا کہ اب جبکہ ہمارے پنجے میں گرفتار ہو گئے ہیں بچنا چاہتے ہیں۔ اب بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

ابن زیاد نے عمرو ابن سعد کو لکھا ہے کہ حسین اور اُن کے ساتھیوں پر پانی بند کردو جیسا کہ پاک طینت جوان حضرت عثمان کے ساتھ کیا گیا تھا۔ عمر سعد نے فوراً عمرو ابن حجاج کو پانچ سو سواروں کے ساتھ گھاٹ پر روانہ کیا، وہ لوگ حسین، ان کے ساتھیو اور پانی کے درمیان اس طرح حائل ہو گئے کہ حسینؑ اور ان کے ساتھی ایک بوند پانی بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے، حسین کی شہادت سے تین روز پہلے کا یہ واقعہ ہے۔ عبداللہ بن الحسین السجلی نے بلند آواز سے کہا کہ اے حسینؑ پانی کی طرف دیکھتے ہو وہ آسمان پر نظر آرہا ہے تم اب اسے نہیں پا سکتے۔ خدا کی قسم اس میں سے ایک قطرہ بھی تم کو نہ ملیگا۔ یہاں تک کہ تم پیاسے مرجاؤ گے۔

امام حسینؑ نے بددعا کی "اے اللہ، اس شخص کو پیاسا ہلاک کر۔

اللہ اسکو کبھی نہ معاف کر"۔ ابن مسلم کا کہنا ہے کہ میں اس کے بعد اس شخص کی بیماری میں کئی مرتبہ عیادت کو گیا میں نے دیکھا کہ وہ پانی پیتا جاتا ہے اور پھر قے کر دیتا ہے اور ہائے پیاس ہائے پیاس کہہ کر چلاتا ہے۔ پھر وہ پانی پیتا ہے اور قے کر دیتا ہے۔ اور تڑپنے لگتا ہے۔ اسی حالت میں اس شخص کی موت واقع ہوئی

جب امام حسین عؑ نے دشمنوں کو اپنے قتل پر بالکل آمادہ پایا تو آپ نے عمر ابن سعد سے کہلا بھیجا کہ " میں تجھ سے ملنا چاہتا ہوں۔ رات کی تاریکی میں دونوں نے ملاقات کی اور دیر تک آہستہ آہستہ گفتگو کرتے رہے۔ امام عالی مقام نے آخری تجویز (اس ملاقات میں) یہ پیش کی میں خود یزید کے پاس جاؤں گا۔ لہذا تو مجھے جانے دے میرے خلاف جنگ میں کمانداری نہ کر۔ پھر عمرو ابن سعد اپنے خیمے کی طرف لوٹ گیا۔ اور جاکر یہ بات چیت ابن زیاد کو لکھ بھیجی، ابن زیاد کے پاس شمر ذی الجشن بیٹھا ہوا تھا (جس وقت یہ خط اُسے ملا) اس نے ابن زیاد سے کہا کہ کیا اب جبکہ حسینؑ تیرے قبضہ میں ہیں تو ان کی تجویز کو مان لیگا (یہ تو حسین کا حکم ماننا ہو گیا) حالانکہ حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں کو چاہیئے کہ وہ تیرا حکم مانیں۔ (اب تو تیری مرضی پر عمل ہونا چاہیئے) تو اُن کو سزا دینا چاہے تو اس بات کا تجھے حق حاصل ہے۔ اور اگر بخش دینا چاہے تو یہ بھی تیرے اختیار میں ہے۔ ابن زیاد نے کہا تیری بات تو معقول ہے۔ اب تو ابن سعد

کے پاس جا اور اس سے کہہ دے کہ (وہ حسین کی تجویز کو نہ مانے) اگر وہ تیری بات مانے تو اس کی اطاعت کر اور اگر انکار کرے تو اسکی جگہ لشکر کی کمان تو سنبھال لے۔ پھر ابن زیاد نے شمر کو حکم دیا کہ وہ قتل کرنے کے بعد حسینؑ کا سر کاٹ لے اور لاش کو پامال کرا دے۔ اور کہا کہ اگر تو نے ایسا کیا تو آخرت میں تجھے اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ (یہ ذکر) تو ابن زیاد نے یونہی کر دیا تھا۔ ورنہ شمر تو ایسا تھا ہی امام حسینؑ سے برائی کے ساتھ پیش آنے والا۔

جب شمر ابن سعد کے پاس پہونچا تو اس سے ڈانٹ کر پوچھا کہ اے عمر سعد کیا کر رہا ہے۔ اپنے حاکم کے قول پر عمل کر کے اس کے دشمن سے جنگ کرتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو میرے اور لشکر کے بیچ نہ آ۔ اس نے کہا نہیں یہ شرف تجھے نہیں مل سکتا میں ہی اس لشکر کی سرداری کروں گا۔ تو پیادوں کی سرداری کر۔

پھر شمر امام حسینؑ کے ساتھیوں کے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ اے ہماری بہن کے بیٹے۔ یہ سن کر عباس جعفر عثمان علی ابن ابی طالب کے بیٹے باہر نکلے۔ انھوں نے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا اے میری بہن کے بیٹو تمہارے لئے امان ہے۔" ان نوجوانوں نے جواب دیا۔"لعنت ہے تجھ پر اور تیری امان پر جب کہ فرزند رسول کے لئے کوئی امان نہیں ہے۔

عمر ابن سعد نے جمعرات کی شام کو عصر کے بعد چڑھائی کی۔ اس وقت امام حسینؑ اپنے خیمہ کے سامنے بیٹھے تھے۔ امام نے فرمایا" عباس! تم گھوڑے پر سوار ہو کر جاؤ اور ان سے پوچھو وہ کیا چاہتے ہیں۔ عباس بیس سواروں کے ساتھ آگے بڑھے۔ ان میں زہیر ابن قین اور حبیب ابن مظاہر بھی شامل تھے۔ حضرت عباس نے اُن لوگوں سے پوچھا کہ رویے میں تبدیلی کیسی، آخر مقصد کیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ تم سب اس کا حکم مان لو ورنہ تم سے جنگ کی جائے گی"۔ حضرت عباس نے کہا" جلدی کی ضرورت نہیں، میں تمہارے ارادے سے ابو عبداللہ الحسینؑ کو باخبر کئے دیتا ہوں۔ وہ لوگ ٹھہر گئے۔ حضرت عباس سے کہا گیا کہ وہ جا کر یہ اطلاع امام حسین کو دیدیں، اور وہ جو کچھ فرمائیں اس سے ان لوگوں کو آ کر آگاہ کر دیں۔ حضرت عباس امام حسینؑ کو یہ خبر دینے کے لئے لوٹے (امام حسین کے دوسرے ساتھی جو حضرت عباس کے ساتھ گئے تھے آپ کے واپس آنے تک) فوج مخالف کو سمجھاتے رہے اور امام حسین سے جنگ نہ کرنے کی تلقین کرتے رہے۔

جب حضرت عباس خدمت امام حسین میں پہونچے اور آپ کو اشقیاء کے ارادے سے باخبر کیا تو امام حسین علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ تم واپس آجاؤ اور اگر ہوسکے تو ان کو کل تک کے لئے ٹال دو۔ تاکہ اس رات میں ہم اچھی طرح

اپنے پروردگار کی عبادت کرلیں۔ اور توبہ واستغفار کرلیں۔ عباسؑ نے
ان لوگوں سے یہ بات آکر کہہ دی۔ تو ابن سعد سوچ میں پڑ گیا۔ عمر ابن حجاج
نے کہا کہ اگر ترک و دیلم کے لوگ بھی ہم سے یہ بات کہتے تو ہم اسکو تسلیم کرلیتے، تو
پھر ہم کیوں نہ آل محمد کی یہ بات مان لیں۔ عمر ابن سعد نے کہا "جاؤ تمہیں کل تک
کی مہلت دیدی گئی۔ اگر اس دوران میں تم نے سمجھداری سے کام لیا (اطاعت
منظور کرلی) تو ٹھیک ورنہ میں تم لوگوں کو چھوڑنے والا نہیں ہوں اور اپنے
خیمے کی طرف چلا گیا۔

امام حسینؑ نے شام کے وقت اپنے اصحاب کو جمع کیا۔ اور ان سے مخاطبہ کیا۔ امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت بیمار تھا۔ تاہم امام حسینؑ کے قریب ہو گیا تاکہ جو بات کہی جا رہی ہے وہ میں بھی سن لوں۔ میں نے اپنے باپ کو اپنے ساتھیوں سے یہ کہتے ہوئے سنا۔

میں خدا کی تعریف کرتا ہوں اور عشرت و عسرت ہر حالت میں اس کا شکر واجب سمجھتا ہوں۔ اے پروردگار! میں تیری ہی تعریف اسی سبب سے کرتا ہوں کہ تو نے ہم کو نبوت سے مشرف کیا اور ہم کو قرآن مجید کا عالم بنایا دین میں ہم کو سوجھ بوجھ دی اور ہمارے لئے کان آنکھ اور دل بنائے۔ اب تو ہم کو شکر گزاروں میں قرار دے۔ اس کے بعد میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جتنے وفادار ساتھی مجھے ملے ہیں ایسے نہ کسی اور کے دیکھے نہ سنے گئے ہیں۔ اور نہ کسی کو ایسے افضل اہل بیت ملے ہیں جیسے مجھے۔ خدا تم کو اس کا پورا پورا اور بہتر سے بہتر بدلہ دے جو وفاداری تم میرے ساتھ کر رہے ہو۔ سنو! اب میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمیں ایک دن کی بھی مہلت نہیں دیں گے۔ میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں آزادی کے ساتھ سب کے سب جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ میں تم کو برا بھلا بالکل نہ کہوں گا رات کا اندھیرا تم پر چھا چکا ہے۔ اس سے اونٹ کا کام لو۔ پھر آپ نے

ان سے فرمایا تم میں سے ایک ایک آدمی میری اہلبیت میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑے اور اپنے ساتھ لے جائے۔ بکھر جاؤ اس رات کے اندھیرے میں اور مجھے ان لوگوں میں اکیلا چھوڑ دو۔ کیونکہ یہ سب میری جان کے دشمن ہیں۔ میں تم کو ایسا کرنے کا اختیار دیتا ہوں"۔

اسپر آپ کے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور بھانجوں نے کہا "ہم ایسا کیوں کریں۔ کیا اس لئے کہ ہم آپ کے بعد اس دنیا میں زندہ رہیں۔ خدا ہمیں آپ کے بعد دوسرا دن دیکھنا نصیب کرے"۔ ان جملوں کی ابتدا حضرت عباس نے کی تھی۔ دوسرے لوگوں نے بھی اسی طرح کے جملے کہے۔ حسین نے فرمایا۔ اے عقیل کے بیٹو! تمھاری طرف سے مسلم کی شہادت ہی کافی ہے۔ میں تم کو اجازت دیتا ہوں تم چلے جاؤ" انھوں نے کہا "سبحان اللہ اگر ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں گے تو لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے خدا کی قسم ہم ایسا ہرگز نہ کریں گے بلکہ اپنی جان آپ پر سے صدقے اتار دیں گے اور آپ کی پیروی میں تلوار سے کام لیں گے جو انجام آپ کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا۔ خدا آپ کے بعد ہماری زندگی حرام کر دے۔"

امام حسینؑ کے پاس مسلم بن عوسجہ آکھڑے ہوئے۔ فرمایا

کیا ہم آپ کو چھوڑ دیں۔ خدا کی قسم ہر گز نہیں ہو سکتا۔ میں ان کے سینے نیزوں سے چھلنی کر دوں گا۔ میں ان کو تلوار سے ٹکڑے کر دوں گا۔ جب تک تلوار کا قبضہ میرے ہاتھ میں رہے گا۔ اور اگر میرے پاس کوئی ہتھیار نہ رہا تو میں ان پر پتھروں کی بارش کر دوں گا خدا کی قسم ہم آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک خدا پر یہ نہ ثابت ہو جائے کہ ہم نے محمدؐ و آل محمد کی حفاظت کا حق ادا کر دیا ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میں قتل ہو جاؤں گا پھر زندہ کر دیا جاؤں گا۔ پھر قتل ہوں گا پھر زندہ ہوں گا اور پھر قتل کر دیا جاؤں گا اور ایسا ستّر بار ہو تب بھی میں آپ کا ساتھ اسوقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک آپ پر قربان نہ ہو جاؤں۔ یہ جو در پیش ہے ایک ہی مرتبہ کی موت ہے۔ پھر تو ہم کو عاقبت میں ابدی عزت نصیب ہو گی"۔

زہیر بن قین اٹھے۔ اور کہا "خدا کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ قتل کیا جاؤں پھر میرا حشر ہو پھر قتل کیا جاؤں اور ایسا ہزار بار ہو"۔ بہر صورت ایسے ملتے جلتے امام حسین علیہ السلام کے بہت سے ساتھیوں نے ادا کئے۔ امام حسین علیہ السلام نے ان کو نیک بشارت دی۔ اور اپنے خیمہ کی طرف لوٹ گئے۔

علی ابن الحسینؑ یعنی امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اس رات کو جاگتا رہا جس کی صبح میرے پدر بزرگوار کی شہادت ہوئی۔ میری پھوپھی زینب میری تیمارداری میں مصروف تھیں۔ اچانک میرے پدر بزرگوار اپنے خیمہ میں چلے گئے۔ آپ کے پاس بیٹھے ابوذر غفاری کے غلام تلوار پر صیقل کر رہے تھے اور اسے ٹھیک کر رہے تھے اور میرے والد یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

یا دھر اف لک من خلیل ؛ کم لک فی الاشراق والاصیل
من صاحب اوطالب قتیل ؛ والدھر لا یقنع بالبدیل
وانما الامر الی الجلیل ؛ وکل حی سالک سبیلی

حیف اے زمانے تجھ جیسے دوست پر کہ دوست تیری وجہ سے بچھڑ جاتے ہیں روزانہ صبح و شام تو بہت سے چاہنے والوں اور دوستوں کو ختم کرتا رہتا ہے حیف ہے اے زمانے کہ تو اپنے شکاروں کا بدل قبول نہیں کرتا۔ اور حکم اللہ کا چلتا ہے اور جتنے بھی آج زندہ ہیں وہ میرے ہی راستے پر چل رہے ہیں۔ یعنی زمانے کے ہاتھوں مٹ جانے والے ہیں۔

حضرت امام حسین نے ان اشعار کا اعادہ دو تین بار کیا۔ میں ان کا مطلب سمجھ گیا۔ روتے روتے میری ہچکی بندھ گئی۔ اور مصیبت کے

نازل ہونے کا یقین ہو گیا۔ لیکن جب میری پھوپھی نے یہ سنا تو وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکیں۔ بیتابی کے ساتھ اٹھیں اور چلیں۔ سر کھلا ہوا تھا۔ سر کی اوڑھنی زمین پر خط دیتی جاتی تھی۔ امام حسینؑ کے پاس ہو پہنچیں اور کہا۔ " کاش مجھے موت آجاتی۔ ایسا لگتا ہے۔ آج میری ماں فاطمہؑ کا انتقال ہو گیا۔ آج میرے باپ علی مرتضیٰ کی موت واقع ہوئی ہے اور میرے بھائی حسنؑ آج ہی دنیا سے اٹھ گئے۔ اے ایسے بزرگوں کے جانشین۔ اے باقی رہنے والوں کے آسرے حسین ! " امام حسینؑ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا اے پیاری بہن خدا تمہیں صبر دے ! آپ کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ پھر کہا۔ بہن یہ فضا ایسی ہے کہ اگر بھٹ تیتر کو بھی چھوڑ دیا جائے تو زندہ بچ کر نہیں نکل سکتا۔ جناب زینب نے فرمایا ہائے افسوس۔ پھر آپ نے اپنے منہ پر طمانچہ مارے اور اپنا گریبان چاک کر لیا اور غش کھا کے گر پڑیں۔ امام حسینؑ اٹھے اور آپ نے ان کو سنبھالا۔ ہوش میں لانے کی تدبیر کی۔ جب انھیں ہوش آگیا تو امام حسینؑ نے فرمایا۔ اے میری پیاری بہن۔ خدا سے ڈرو اور صبر کرو۔ یقین جانو کہ تمام اہل زمین مرنے والے ہیں اور آسمان بھی ہمیشہ رہنے والے نہیں۔ خدا کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ میرے پدر

بزرگوار مجھ سے بہتر تھے میری ماں فاطمہ مجھ سے بہتر تھیں۔ میرے بھائی حسنؑ مجھ سے بہتر تھے۔ مگر وہ کبھی موت سے نہیں بچ سکے۔ میرے لئے اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ کی پیروی لازم ہے آپ نے ان کو اسی طرح کے بیان سے تلقین کی اور ان سے کہا "اے بہن میں تم کو قسم دیتا ہوں۔ تم میری قسم کو پوری کرو میری شہادت پر گریبان چاک نہ کرنا۔ منہ نہ نوچنا۔ واویلا نہ کرنا۔ پھر آپ ان کو لائے اور میرے پاس بٹھلا دیا۔

کہا جاتا ہے کہ جس چیز نے اہل حرم کو ساتھ لانے پر آمادہ کیا وہ وہ یہ تھی کہ اگر ان کو حجاز یا کہیں اور چھوڑ آتے تو بھی یزید ان کو گرفتار کرتا اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرتا۔ ان کی نسل کو ختم کر دیتا۔

پھر امام حسین اپنے اصحاب کی طرف آئے اور ان کو حکم دیا اپنے خیمے ایک دوسرے سے نزدیک کر لیں اور خیموں کی طنابیں ایک دوسرے کے خیمہ کے اندر کر لیں اور وہ سب خیموں کے سامنے بچھیں آجائیں تاکہ دشمنوں کا مقابلہ ایک دشمن جیسے کیا جا سکے اور امام حسین اپنے خیمہ میں واپس چلے گئے۔ تمام رات نماز استغفار۔ دعا اور تضرع میں گزاری اور اسی طرح آپ کے ساتھی بھی نماز۔ دعا استغفار اور تضرع میں مصروف رہے۔ یہ رات امام حسین اور انکے

ساتھیوں نے رکوع و سجود اور قعود و قیام میں گزاری ان کی آواز مکھیوں کی بھنبھناہٹ کیطرح فضا میں گونج رہی تھی۔ اسی رات عمر سعد کے لشکر سے بتیس آدمی آکر امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مل گئے۔

عاشور کی صبح نمودار ہوئی۔ آپ نے اپنا خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا اور ایک برتن منگایا جسمیں لگانے کی خوشبو تھی۔ بریر ہمدانی عبدالرحمٰن سے ہنسی مذاق کرنے لگے وہ دونوں خیمہ کے دروازے پر مشک لگا رہے تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا یہ ہنسنے کا وقت نہیں ہے تم کیوں ہنستے ہو بریر نے کہا میں تو اس درجہ پر فائز ہونے کی مسرت کا اظہار کر رہا ہوں جو آج ہمارے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ خدا کی قسم یہ بہت بڑے مرتبہ کی بات ہے کہ ہم اس قوم کے مقابلہ میں تلوار چلائیں اور شہادت حاصل کر کے حورالعین سے جا ملیں۔

ابن سعد گھوڑے پر سوار ہوا اور اس نے اپنے لشکر کو آراستہ کیا اور امام حسینؑ نے بھی اپنے ساتھیوں کی صف بندی کی۔ یہ دن جمعہ کا تھا۔ آپ کے ہمراہ ۳۲ سوار اور ۴۴ پیدل تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۴۵ سوار تھے اور ۱۰۰ پیادے تھے۔ آپ نے حضرت زہیر ابن قین کو میمنہ پر مقرر کیا اور حبیب ابن مظاہر کو میسرہ پر اور علم

اپنے بھائی عباس علی کو دیا اور خیموں کو اپنی آڑ میں لیا۔ خیموں کے پیچھے جو لکڑیاں پڑی تھیں ان کو خندق میں ڈالنے کا حکم دیا۔ اور اس خیال سے آگ جلوا دی کہ کہیں دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر دے اور یہ دعا پڑھی اَللّٰھم انت ثقتی فی کلّ کرب و رجائی فی کلّ شدّۃ وانت فی کلّ امر نزل بی ثقۃ وعدّۃ کم من ھم یضعف منہ الفواد و تقل فیہ الحیل و یخذل فیہ الصدیق و یشمت فیہ العدو انزلتہ بک و شکوتہ الیک عمن سواک ففرجتہ و کشفتہ وانت ولی کل نعمۃ و صاحب کل حسنۃ و منتہی کل رغبۃ۔ بار الٰہ تو ہر مصیبت میں میرا سہارا ہے اور ہر مشکل میں مجھے تجھ سے امید ہے اور نزول بلا کے ہنگام تو ہی میرا آسرا اور سروسامان ہے۔ بہت سے ایسے غم ہیں جن سے دل کمزور ہو جاتا ہے اور اسمیں تدبیریں ناکافی ہوتی ہیں۔ اسوقت دوست مدد کرنے سے احتراز کرتا ہے اور دشمن ہنسی اڑاتا ہے۔ تجھی سے میں التجا کرتا ہوں۔ دوسروں کو چھوڑ کر صرف تجھی سے یہ میری خواہش ہے کہ تو اسے دفع کر۔ تو ہر نعمت کا مالک ہے اور نیکی کا اور ہر خواہش تجھی سے وابستہ اور تجھی سے پوری ہوتی ہیں۔

اس وقت تک دشمن حسینؑ کے خیمہ کے گرد چکر کاٹنے لگے تھے اور خندق کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شمر با آواز بلند پکارا۔ اے حسینؑ تم نے قیامت سے پہلے ہی دوزخ کا بندوبست کر لیا۔ حسین نے فرمایا یہ کون ہے؟ شاید شمر لعین ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں یہ شمر ہے امام حسینؑ نے کہا اے چرواہے کے بچے تو اسمیں جانے کا زیادہ مستحق ہے۔ مسلم بن عوسجہ نے تیر مارنے کا ارادہ کیا حسینؑ نے منع کر دیا۔ مسلم بن عوسجہ نے کہا مجھے اس پر تیر چلانے دیجئے۔ یہ موقع ہمیں خدا نے دیا ہے۔ یہ فاسق بڑے سرکشوں میں سے ہے امام حسینؑ نے فرمایا کہ اسے تیر نہ مارو کیونکہ میں اپنی طرف سے جنگ کی ابتدا کرنا نا پسند کرتا ہوں۔ ایک شخص ابن جویرہ نامی سامنے آیا۔ جب اس نے آگ کو بھڑکتے ہوئے دیکھا۔ تالی بجائی اور پکارا تم نے جلدی سے دنیا میں ہی دوزخ بنالی۔ امام حسینؑ نے پوچھا یہ کون شخص ہے۔ جواب دیا گیا "ابن جویرۃ المزنی ہے"۔ امام حسینؑ نے فرمایا "اے باری تعالیٰ اسے دنیا ہی میں دوزخ کا عذاب چکھا دے یکایک ابن جویرہ کا گھوڑا بدکا اور اس نے اپنے سوار کو آگ میں گرا دیا ایک شخص بنی تمیم میں سے بھی آگے آیا اس کا نام عبد اللہ بن جوزہ تھا

وہ بھی کچھ بولنے لگا۔ امام حسینؑ نے اس کے لئے بد دعا کی " اے اللہ اسے بھی دوزخ میں گھسیٹ لے " اس کا گھوڑا بھی بھڑک کر خندق میں گر گیا لوگوں نے اسے اٹھایا۔ مگر وہ مر چکا تھا۔

امام حسین علیہ السلام نے بریر ابن خضیر ہمدانی کو بھیجا۔ وہ دشمنوں کے پاس گئے، اور ان کو نصیحت کی مگر ان کی ایک بات بھی نہیں مانی گئی۔ امام حسینؑ علیہ السلام خود اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اشقیا کی طرف آئے ان کو چپ ہو جانے کو کہا۔ پھر آپ نے خدا کی حمد و ثنا کی انبیاء اور ملائکہ پر درود بھیجا۔ آپ سے پہلے کسی بولنے والے کو گفتگو میں اتنا فصیح و بلیغ نہیں پایا گیا تھا۔ آپ نے قرآن کو اپنے سر پر رکھا اور فرمایا۔"میرے اور تمہارے درمیان خدا کی کتاب کا واسطہ ہے تم کیسے میرا خون حلال کرتے ہوئے"۔ آپ نے پھر فرمایا "اے لوگو ذرا میرا نسب نامہ تو دیکھو۔ سمجھو تو میں کون ہوں پھر اپنے دل سے غور کرو اور جلد بازی پر اپنے آپ کو ملامت کرو۔ پھر سوچو تو مجھے قتل کرنا اور میری بے حرمتی کرنا تمہارے لئے درست ہے۔ کیا میں تمہارے نبی کا بیٹا نہیں ہوں کیا میں اس نبی کے بھائی اور وصی کا بیٹا نہیں ہوں جو سب سے پہلا مومن اور خدا کی طرف سے رسول اللہ جو کچھ لائے تھے اس کے

بارے میں سب سے پہلے رسول اللہ کی تصدیق کرنے والا تھا۔ کیا وہ خبر تم تک نہیں پہونچی ہے جو رسول اللہ نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں کہی تھی۔ ہٰذان سیدا شباب اہل الجنۃ کہ یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں میں جو کچھ کہتا ہوں اگر اس کی تصدیق کرلو تو اسکو سچ پاؤگے۔ اور اگر تم مجھے جھٹلاتے ہو تو تم میں وہ لوگ موجود ہیں جن سے تم پوچھو تو تم کو بتائیں گے جابر ابن عبد اللہ الانصاری سے پوچھ لو۔ ابو سعید خدری سے پوچھ لو۔ سہل ابن السعد الساعدی زید ابن ارقم انس بن مالک یہ لوگ تم کو بتائیں گے۔ انھوں نے میرے اور میرے بھائی کے متعلق رسول اللہ کی زبانی یہ کلمات سنے ہیں کیا یہ بات بھی تم کو میرا خون بہانے سے نہیں روکتی۔ پھر امام حسین نے فرمایا کہ اگر اب بھی تم کو شک ہے تو کیا اسمیں بھی تم کو شک ہے کہ میں تمھارے نبیؐ کی بیٹی کا لڑکا ہوں۔ خدا کی قسم! مشرق اور مغرب میں تم میں اور دوسروں میں میرے سوا کوئی بھی تمھارے نبی کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہے۔ برا ہو تمھارا! کیا تم مجھ سے کسی ایسے شخص کا بدلا لینا چاہتے ہو جسے میں نے قتل کیا ہے یا کسی مال کی دیت چاہتے ہو جسے میں نے لوٹا ہے یا کسی زخم کا قصاص لینا چاہتے ہو

وہ سب خاموش ہو گئے۔ امام حسینؑ نے پکار کر کہا، اے
شیث ابن ربعی۔ اے حجاز بن الجر اے قیس بن اشعث۔ اے یزید
بن حارث کیا تم لوگوں نے مجھے یہ نہیں لکھا تھا کہ پھل پک چکے ہیں
باغات لہلہا رہے ہیں اور آپ تشریف لائیے یہاں آپ کی مدد کیلئے
لشکر تیار ہے۔

قیس بن اشعث نے کہا۔ ہم نہیں سمجھتے آپ کیا کہہ
رہے ہیں۔ آپ کو تو اپنے چچا کے بیٹوں کا حکم مان لینا چاہئے آپ
کو تو وہ لوگ اسی گھاٹ لگا لائے ہیں جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ امام
حسینؑ علیہ السلام نے کہا۔ نہیں خدا کی قسم۔ میں تمھارے ہاتھ میں اپنا
ہاتھ ذلیل ہونے کے لئے نہیں دوں گا اور نہ غلام کیطرح بھاگوں گا
پھر آپ نے باآواز بلند پکارا۔ اے اللہ کے بندو میں پناہ چاہتا ہوں
اپنے اور تمھارے رب کی ہر اس طاغی سے جو قیامت کا یقین نہیں
رکھتا اور آپ نے مثال کے لئے شاعر کا یہ شعر پڑھا۔

فان نهزم فهزامون قدما | هوان تغلب فغير مهزمينا
وما من طبنا جبن ولكن | منايانا ودولة اخرينا

اگر ہم نے شکست دی تو ہم بار ابے شکست دینے والے

ہیں اور اگر ہم پر غلبہ پا لیا گیا تو بھی ہم ان میں سے نہیں ہوں گے جو بھاگ جاتے ہیں کیونکہ ہماری فطرت میں بزدلی نہیں ہے کیونکہ ہم موت کے چاہنے والے اور اسلاف کی وقار کے محافظ ہیں۔

حر۔ ابن یزید ریاحی نے جب یہ دیکھا کہ جو اہل کوفہ کے سرداروں میں سے تھے انھوں نے کہا کہ ہمیں نے آپ کو خطوط بھیجے تھے اور ہمیں نے آپ کو بلایا تھا تو اسی طرح خدا نے حق اور باطل کو الگ الگ کر کے دکھا دیا ہے تو وہ جس جگہ کھڑے تھے وہاں سے تھوڑا تھوڑا ہٹے اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے قریب ہوتے گئے۔ ان پر لرزہ طاری ہو گیا۔ ابن مہاجر نے حر سے کہا کہ آج سے پہلے میں نے کسی جنگ میں تمھیں اس حالت میں دیکھا تھا اور اگر مجھ سے پوچھا جاتا کہ کوفے میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو میں تمھارا نام بتاتا تھا مگر آج میں کچھ اور دیکھ رہا ہوں۔ حر نے کہا خدا کی قسم میں اپنی جان کو جنت اور دوزخ کے بیچ میں پا رہا ہوں۔ خدا کی قسم میں جنت پر کسی دوسری چیز کو ترجیح نہ دوں گا۔ پس انھوں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور حسین سے جا ملے اور ان کا ہاتھ اوپر کو اٹھا تھا۔ پھر انھوں نے امام حسینؑ سے کہا بس میں ہی وہ شخص ہوں جس نے آپ کو واپس جانے سے روکا تھا۔ خدا کی قسم

اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ ایسی بد سلوکی کریں گے جو میں دیکھ رہا ہوں تو میں ایسا ہر گز نہ کرتا۔ بے شک میں توبہ کرتا ہوں اور اللہ سے اپنے گناہ کی معافی چاہتا ہوں کیا میرے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ امام حسین نے ان سے فرمایا ہاں اللہ تمھاری توبہ قبول کرے گا حر نے کہا میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے آپ سے مزاحمت کی تھی لہٰذا آپ مجھے اس کی۔ اجازت دیجئے کہ سب سے پہلے آپ کیطرف سے میں ہی لڑوں، امام حسین علیہ السلام نے اجازت دی اور حر آپ کے آگے آئے اور دشمنوں سے کہا۔ تمھاری ماں تم کو روئے تم نے اس نیک نہاد کو دھوکا دیکر بلایا اور جب وہ تمھارے پاس آیا تو تم نے اسے دشمنوں کے سپرد کر دیا اور یہ گمان کیا کہ تم سب اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہو اس کے مقابلے میں اس کی اطاعت سے گریز کیا چاہتے ہو اسے قتل کر ڈالو اور اس کو اتنا مجبور کر دیا ہے کہ اب وہ تمھارے پھندے میں پھنسا ہوا ہے۔ فرات کے بہتے ہوئے پانی سے اس کو اور اس کے اہلبیت کو محروم رکھے ہوئے ہو جس پانی کو یہود نصاریٰ اور مجوس پیتے ہیں جس میں سور لوٹتے ہیں اور ان کو ایک بوند نہیں دیتے ہو جن کو پیاس نے نیم دم کر دیا ہے۔ تم نے محمدؐ کے بعد ان کی ذریت کے ساتھ بد سلوک

کیسا ہے۔ اگر تم ان کی نصرت نہیں کر سکتے ہو تو خدا کی اس وسیع زمین پر وہ جہاں چاہتے ہیں جانے دو۔ کیا تم اللہ پہ ایمان نہیں رکھتے۔ محمد کی نبوت نہیں مانتے ہو۔ خدا قیامت کے دن تمھاری پیاس نہ بجھائے۔

کچھ لوگوں نے حر پر حملہ کیا۔ تیر چلائے۔ تاکہ ان کو مار گرائیں وہ آگے بڑھے اور امام حسین کے سامنے آکر رک گئے۔ عمر و ابن سعد بڑھا اور اس نے حسین کی طرف ایک تیر پھینکا اور کہا کہ امیر کے سامنے گواہی دینا کہ سب سے پہلا تیر میں نے ہی چلایا ہے۔ پھر تو تیروں کی بارش ہونے لگی۔ اس وقت امام حسینؑ نے اپنا ہاتھ منہ پر پھرایا اور کہا خدا یہود پر اسوقت غضبناک ہوا تھا۔ جب انھوں نے اس کے لئے بیٹا بنایا تھا۔ اور نصارا پر اسوقت غضبناک ہوا تھا جب انھوں نے خدا کو مان کر اس کو تین میں سے ایک بتایا تھا۔ اور اللہ مجوس پر اسوقت غضبناک ہوا جب انھوں نے اللہ کے علاوہ چاند سورج کو پوجنا شروع کر دیا اور آج غضبناک ہوگا ان لوگوں پر جو اس کے نبی کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کرنے کے لئے اکٹھا ہو گئے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب حسین اور عمر و

ابن سعد ملے تو اللہ تعالےٰ نے ایک فرشتہ نصرت کے لئے بھیجا جو حسینؓ کے سر پر اڑا یہاں تک کہ اس کے پر پھڑ پھڑانے کی آواز آنے لگی۔ اور اس نے حسینؓ سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتے ہیں دشمنوں پر غالب آنا یا اللہ سے مل جانا۔ حضرت امام حسینؓ نے اللہ سے ملنے کو پسند کیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا چلو موت کیطرف جس سے کسی کو مفر نہیں ہے یہ تیر ہمارے دشمنوں کے قاصد ہیں۔ پس حسینؓ کے ساتھی اٹھے اور جنگ میں مصروف ہو گئے انھوں نے للکارا۔ حرنے بہت سخت جنگ کی اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

اضرب فی اعناقکم بالسیف عن خیر من حل منی والخیف

میں تمھاری گردن ماروں گا تلوار سے۔ اس شخص کی طرفداری میں جو منی اور خیف کے درمیان اترا ہے۔ پھر انھوں نے بہت سے بہادروں کو قتل کیا اور آخر میں خود شہید ہو گئے اللہ کی رحمت نازل ہو ان پر۔ ان کو حسین کے پاس لایا گیا حسین حر کے چہرے سے مٹی پونچھنے لگے۔ ان کا خون بہہ رہا تھا۔ امام حسین فرماتے جاتے تھے

انت الحر کما سمتک امک حر فی الدنیا والاخرۃ

تو آزاد ہے جیسا کہ تیری ماں نے تیرا نام رکھا ہے تو آزاد ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی

پھر بریر بن حصین نکلے۔ یہ بڑے عبادت گزار اور زاہد مرتھے ان کے مقابلہ میں یزید بن منقل دونوں نے لڑنیسے پہلے یہ طے کیا کہ دونوں خدا سے ایک دوسرے کیلئے بد دعا کریں بطور مباہلہ کہ خدا اس کو ہلاک کرے اور جو نا حق پر ہے۔ بریر نے اسکو قتل کر دیا اسی طرح بریر کی حقانیت ثابت ہو گئی۔ پھر کچھ دیر لڑتے رہے اور اس کے بعد شہید ہو گئے' اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہوا۔

پھر وہب بن جناب الکلبی نکلے۔ انھوں نے بہت سخت جنگ کی اور جہاد کا حق ادا کیا۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی اور والدہ بھی تھیں۔ وہ لوٹ کر ماں کے پاس آئے اور کہا اے اماں! کیا آپ مجھ سے خوش ہوئیں" انھوں نے کہا، میں اسوقت تک خوش نہ ہونگی جب تک کہ تو حسینؓ کے سامنے قتل نہ ہو جائے۔ وہ میدان جنگ میں آئے اور لڑتے رہے یہاں تک کہ دونوں ہاتھ کٹ گئے ان کی بیوی نے ایک خیمہ کی چوب اٹھالی اور میدان جنگ میں آگئیں وہ کہتی جاتی تھیں" تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں نیک لوگوں کیطرف سے جنگ کرنے والے" وہب برابر جنگ میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہوئے رضوان اللہ علیہ۔

پھر مسلم بن عوسجہ آئے۔ دشمنوں سے بہت ہولناک جنگ کی اور خطرات مصائب پر صبر کیا۔ وہ زمین پر گرے۔ ان میں تھوڑی سی جان

باقی تھی حسینؑ حبیب ابن مظاہر کے ہمراہ ان تک پیدل پہونچے اور فرمایا کہ خدا کی رحمت تم پر نازل ہو اے مسلم پھر اس فرمودۂ الٰہی کی تلاوت کی۔ فمنہم من قضی نحبہ ومنھم ینتظر وما بدلو تبدیلا۔ (ان میں سے بہت سے لوگ مر گئے اور ان میں سے بہت سے لوگ منتظر ہیں اور انھوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ حبیب ابن مظاہر بھی ان سے قریب ہو گئے اور کہا اس شہادت نے آپ کی عزت بہت بڑھا دی ہے اے مسلم! تمھیں جنت کی بشارت دیتا ہوں مسلم نے بھی بہت نحیف آواز میں ان کو خیر کی بشارت دی حبیب ابن مظاہر نے کہا کہ اگر میں تمھارے فوراً بعد اس منزل پر جس پر تم جا رہے ہو آنے والا نہ ہوتا تو تم سے اس وصیت کی فرمائش کرتا جس کی حسرت تمھارے دل میں ہے انھوں نے کہا کہ میں تم کو آپ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں اور امام حسینؑ کی طرف اشارہ کیا اور انتقال کر گئے۔ رضوان اللہ تعالےٰ۔

مسلم ابن عوسجہ کی ایک لونڈی نے ان کے مرنے پر گریہ کیا۔ دشمن یہ سن کر خوش ہوئے اور کہا مسلم بن عوسجہ شہید ہو گئے۔ شیث ابن ربعی نے پوچھا کیا تم ان کی شہادت پر خوش ہوتے ہو حالانکہ وہ ایسے

آدمی تھے جن کو بڑی بڑائی حاصل تھی میں نے انھیں آذربائیجان کی جنگ میں دیکھا کہ انھوں نے ساٹھ مشرکین کو مسلمانوں کے لشکر کے پہونچنے سے پہلے مار گرایا ہے۔

پھر عمر ابن قرظہ الانصاری نکلے اور جنگ کی اجازت چاہی اور شہادت کے شوقین کی طرح لڑے۔ بہتوں کو مارا اور جو تیر امام حسینؑ کی طرف آیا اس کو اپنے ہاتھ سے روکا اور جو بھی تلوار کا وار ہوا اسے اپنے سینے پر جھیل لیا انھوں نے جنگ کی اور زخمی ہو گئے پھر وہ حسین کی طرف رخ کر کے بولے۔ کیا میں نے حق وفاداری ادا کر دیا ہے۔ امام نے فرمایا ہاں تم مجھ سے پہلے جنت میں داخل ہو گے۔ میرے نانا کو سلام کہنا۔ کہنا کہ میں بہت جلد آتا ہوں۔ پھر حضرت عمر ابن قرظہ الانصاریؓ شہید ہو گئے۔

پھر حضرت جون ابو ذر غفاریؓ کے غلام آگے بڑھے ان کا رنگ سیاہ تھا۔ امام حسینؑ نے ان سے کہا تم تو ہمارے ساتھ آرام کے لئے آئے تھے۔ جون نے کہا۔ میں کمینہ اور حقیر ہوں آپ مجھے جنت عنایت کیجئے تا کہ میں شریف بن جاؤں۔ امام نے ان کو اجازت دی۔ انھوں نے جنگ کی اور شہید ہو گئے۔ کہا جاتا ہے

کہ جب وہ کسی شخص کو مارتے یا قتل کرتے" تو کہتے" اے مولا ابوذر یہ تمھاری طرف سے ہے"۔ ایسا اس لئے کہتے تھے کہ جب ابوذر غفاری مقام ربذہ میں تھے تو جون بھی ان کے ساتھ تھے۔ انھوں نے جون کو حسینؑ کی خدمت کی وصیت کی تھی اور ان کے ساتھ کربلا میں حاضر ہونے کا حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ اے جون تم حسینؑ پر اپنی جان فدا کر دینا۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر میں بھی زندہ رہتا تو امام حسینؑ کی خدمت کرتا اور اس روز اپنی جان ان پر نچھاور کر دیتا۔ لیکن میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ حسینؑ کی امداد کرنا کیونکہ تم پر میرا حق ہے۔ اسی سبب سے جون جب وار کرتے تو کہتے تھے" اے مولا یہ تمھاری طرف سے ہے"۔

صادق آل محمدؐ سے روایت ہے کہ لوگ کربلا میں آتے اور اپنے عزیز مقتولین کو جمع کرکے دفن کرتے۔ انھوں نے جون کو دس دن کے بعد پایا۔ ان کے جسم سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔

پھر عمرو ابن خالد اٹھے اور عرض کی کہ میں آپ کو اپنی زندگی میں تنہا نہیں دیکھنا چاہتا۔ آپ نے جنگ کی اور شہید ہو گئے۔ اسکے بعد حنظلہ ابن سعد آئے اور امام کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اسوقت امام کی طرف تیر اور

نیزے پھینکے جا رہے تھے حنظلہ ابن سعد سینہ سپر ہو کر آپ کو بچانے لگے اور کہتے تھے اے قوم ستم شعار میں ڈرتا ہوں کہیں تم پر قیامت کا عذاب نہ نازل ہو جائے کہیں تمہارا حشر وہی نہ ہو جو قوم نوح و عاد و ثمود کا ہوا تھا۔ حالانکہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا" پھر آپ نے آگے بڑھ کر جنگ کی اور زخمی ہو کر مقتولین کے درمیان گر پڑے۔ اور ان میں اس وقت تک جان باقی رہی جب یہ خبر پھیلی کہ حسین قتل کر دیئے گئے۔ بعد شہادت امام حسین علیہ السلام وہ اس امر کی اطلاع پاتے ہی اٹھے جوش میں چھری نکالی اور وہ دوبارہ لڑ کر شہادت پر فائز ہوئے۔ پھر نافع بن ہلال نکلے دو بدو مقابلے میں جو شخص ان کے سامنے نکلا اسے مار ڈالا۔ عمرو ابن حجاج نے جو ابن سعد کے لشکر کے میمنہ پر مقرر تھا لوگوں سے پکار کر کہا اے بیوقوفو! معلوم ہے کن لوگوں سے لڑ رہے ہو۔ تم ایسے اہل بصیرت سے لڑ رہے ہو جن کو موت بہت عزیز ہے اگر تم ان سے فرداً فرداً لڑنے کی کوشش کی تو وہ کم تعداد ہونے کے باوجود تم کو ختم کر دیں گے۔ اور اگر تم سب ملکر ان پر صرف پتھراؤ بھی کر دو گے تو ان کو ختم کر دو گے۔ عمر و سعد نے کہا تیری رائے انسب ہے اور لوگوں کو تنہا لڑنے سے منع کر دیا۔ ایک ساتھ مل کر لڑنے کا

حکم دیا۔

ابن حجاج نے میمنہ پر حملہ کیا اور شمر نے میسرہ پر۔ مگر حسینؑ کے ساتھیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ دشمنوں نے حسین پر حملہ کرنا شروع کیا۔ شدید جنگ کی حسین کے گھوڑے بھی اچھل اچھل کر دشمنوں پر حملہ کرنے لگے۔ یہ کل ۳۲ سوار تھے۔ مگر کوفیوں کا لشکر جس سمت بھی حملہ کرتا تھا وہ اسے کائی کی طرح سے منتشر کر دیتے تھے۔ علی ابن الحسین علیہما السلام سے روایت ہے کہ جب بھی لڑائی زور پکڑتی اور حسینؑ کے ساتھیوں کا جوش نمایاں ہوتا تو عمر سعد کے لشکر میں ہلچل مچ جاتی۔ سپاہیوں کا رنگ اڑ جاتا جسم میں تھرتھری پیدا ہو جاتی۔ مگر امام حسین اور ان کے ساتھیوں کا حال ٹھیک برعکس تھا۔ جیسے جیسے جنگ ہولناک ہوتی جاتی تھی ان کے چہرے نورانی ہوتے جاتے تھے۔ ان کے اعضاء میں سکون و ضبط نمایاں تھا۔ ان کی روح کو اطمینان تھا۔ دشمن یہ عالم دیکھ کر آپس میں کہتے تھے حسین اور ان کے اصحاب کی طرف تو دیکھو ان کو موت کا ذرا بھی ڈر نہیں ہے۔

ابن سعد نے حصین بن نمیر بن تمیر کو پانچسو تیر اندازوں کے ساتھ حسین کی فوج

کی طرف بھیجا ان اشقیا نے ان مظلوموں پر تیروں کی بارش شروع کر دی گھوڑے جو بد کنے لگے تو حسین کے ساتھیوں نے ان کو پے کر دیا اور ان سے لڑتے رہے یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی۔ یہ جنگ عامہ انتہائی شدید ہوئی۔ بالآخر دشمن مجبور ہو گئے کہ ان لوگوں پر صرف ایک جانب سے حملہ کریں کیونکہ اصحاب حسینؑ کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں رکھا گیا۔ اس جنگ میں اکا دکا اصحاب حسین کام آتے رہے۔ جس سے ان کے اندر فوجیوں کی نمایاں کمی ہونے لگی اور ابن سعد کا لشکر اتنا کثیر تھا کہ دس بیس بھی مر جاتے تو پتہ نہ چلتا۔

ایک مرتبہ امام حسین نے آسمان کی طرف دیکھا۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا آپ نے دشمنوں سے کہلوایا کہ جنگ روک دی جائے تاکہ ہم لوگ نماز ادا کر لیں۔ ان لوگوں نے انکار کر دیا۔ امام حسین نے زہیر ابن قین اور سعید بن عبد اللہ سے کہا کہ تم لوگ میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ تاکہ میں نماز پڑھ لوں۔ وہ دونوں امام کے آگے کھڑے ہو گئے۔ آدھے اصحاب پیچھے کھڑے ہو گئے امام حسینؑ نے ان کو نماز خوف پڑھائی (اس نماز کے دوران میں بھی تیروں کی بارش مسلسل ہوتی رہی) سعید ابن عبداللہ بڑھ بڑھ جاتے اور جو تیر امام حسینؑ کی طرف آتا اوسے

اپنے سینے پر روک لیتے۔ امام علیہ السلام جس طرف منہ پھیرتے سعید ان کو اپنی آڑ میں لے لیتے۔ آخر سعید کو اتنے تیر لگے کہ ان سے ٹھہرا نہیں گیا اور وہ زمین پر گر پڑے اور مرتے وقت زبان سے دشمنوں کے لئے لعنت کی۔ کہا پروردگارا ان لوگوں پر وہ عذاب نازل کر جو قوم عاد و ثمود پر نازل کیا تھا۔ آپ کی شہادت کے بعد آپ کے جسم سے ۲۲ تیر نکالے گئے۔ ان کے علاوہ تلوار اور نیزوں کے زخم بھی بہت سے تھے۔

نماز کے بعد امام حسینؑ کے موذن میدان قتال میں آ کر جہاد کے بعد شہید ہوئے۔ پھر عمرو ابن مطاع میدان جنگ میں آئے اور لڑ کر شہید ہو گئے۔ ان کے بعد زہیر بن قین اجازت لے کر میدان جنگ میں آئے اور نہایت شدید جنگ کرنے کے بعد شہید ہو گئے۔ امام حسینؑ نے حسرت کے ساتھ کہا "زہیر بھی کھیت رہے۔ اے زہیر تم کو خدا اپنی رحمت سے دور نہ رکھے اور لعنت ہو اللہ کی تمھارے قاتلوں پر خدا ان کے چہروں کو مسخ کر کے بندروں اور سوروں جیسا کر دے۔ ان کے بعد حبیب ابن مظاہر اسدی میدان میں آئے ان کے ساتھ بھی سخت معرکہ پیش آیا اور یہ بھی جام شہادت سے سیراب ہوئے ان کی شہادت ایسی ہوئی کہ امام حسین کا دل ٹوٹ گیا۔ آپ نے فرمایا میں اپنے انصار کی نصرت کی جزا اللہ سے پوری پوری طلب کرونگا

امام حسینؓ کے ساتھ ایک نوجوان تھا جس کا باپ معرکہ میں شہید ہو چکا تھا۔ اس کی ماں اس کے ساتھ تھی۔ اس نے کہا " اے میرے پیارے بچے اٹھ اور فرزند رسول کی نصرت میں لڑ کر مر جا " امام نے جب اسے دیکھا تو کہا " شاید تیرے جہاد کے عزم سے تیری ماں کو افسوس ہوا اسلئے تو نہ جا۔ اس نے کہا میری ماں نے ہی مجھے جنگ کا حکم دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی ماں کہتی تھی اے لال میں تیرا بیاہ رچانے کی آرزو کرتی تھی۔ آج یہ پوری ہو رہی ہے کہ حسینؓ کی تجھ سے رضامندی ایک نہایت خوبصورت دلہن ہے جو تیرے لئے تجویز ہوئی ہے تجھ پر میرا دودھ حرام ہو جائے گا اگر تو نے اسے اپنے لئے قبول نہ کیا۔ میں نے تجھے اسی دن کے لئے پیدا کیا تھا۔ اس نوجوان نے دشمنوں پر حملہ کیا۔ اس کی ماں چوب خیمہ ہاتھ میں لئے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے رہتی۔ اور کہتی جاتی تھی اے میرے پیارے بیٹے رسول کے بیٹےؓ کی نصرت کر۔ کل انشاءاللہ ان کی شفاعت بھی تجھے ملے گی۔ وہ لڑتے لڑتے گرفتار کر لیا گیا۔ عمر ابن سعد نے کہا تو نے کتنے شدید حملے کئے ہیں۔ اب تجھے سزا ملنا چاہیئے حکم دیا کہ سر کاٹ لیا جائے چنانچہ اس کا سر کاٹ لیا گیا۔ اور حسینؓ کے لشکر کیطرف پھینکدیا گیا۔ اس کی ماں نے سر کو اٹھا لیا۔ آنکھوں کے

سامنے رکھ کر اس کو مخاطب کر کے کہا اے بیٹے تو نے بہت اچھا کام کیا اے میرے دل کی مسرت اے میرے آنکھوں کی ٹھنڈک تیری طاہر ہو گئی کیونکہ تو نے رضائے اہلبیت میں شہادت پائی۔ پھر اس نے اپنے بیٹے کے سر کو دشمنوں کی طرف پھینکدیا۔ وہ سر ایک شخص کو لگا جس سے اس شخص کا دم نکل گیا۔ اور پھر انھوں نے چوب خیمہ سے اشقیا پر حملہ کر دیا اور دو آدمیوں کو جان سے مار ڈالا۔ امام علیہ السلام نے ان کو واپس آنے کا حکم دیا اور کہا تو اور تیرا بیٹا ہمارے ساتھ جنت میں ہوں گے راوی کہتا ہے کہ ایک کے بعد ایک آگے بڑھتا اور امام کو سلام کرتا امام جواب سلام دیتے اور رخصت دیتے ہوئے کہتے ہم بھی تمہارے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں اور یہ آیت تلاوت کرتے "فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا"۔ (پس ان میں سے کتنوں کی موت واقع ہو گی اور کتنے منتظر ہیں اور انھوں نے کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی) اس وقت انصار حسین کی آنکھوں کے سامنے سے سارے پردے ہٹ گئے تھے اور وہ جنت میں اپنا مقام و منزل دیکھ لیتے تھے اسی لئے امام حسین علیہ السلام سے پہلے ہی شہید ہو جانے کے لئے بے تحاشا دوڑتے۔ جیسا کہا گیا ہے

قوم اذا نودوا لدفع ملمۃ والخیل بین مدعس ومکردس
لبسوا القلوب علی الدروع واقبلوا یتھافتون علی ذھاب الانفس

یہ ایسی قوم ہے کہ جب اس کو پکارا جاتا ہے کسی مصیبت کو دور کرنے کے لئے دور آنا لیکہ (امداد کے طالب سوار کا گھوڑا کھینا ہوا ہوتا ہے نیزہ بازوں کے بہت بڑے لشکروں کے بیچ میں تو یہ اسطرح آتے ہیں کہ ان کے دل سینے میں محفوظ ہونے کے بجائے زرہ کے اوپر ہوتے ہیں یعنی سر ہتھیلی پر رکھ کر آتے ہیں اور مرنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھ جاتے ہیں)

اب حسینؑ کے دوستوں میں سے ایک بھی باقی نہیں رہ گیا۔ صرف چند نفوس اہلبیت کے امام کے ساتھ رہ گئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب اصحاب حسین شہید ہو چکے تو سوا اہلبیت کے چند نفوس کے ان کے ساتھ اور کوئی باقی نہیں رہا تھا۔ اہلبیت میں سے جو لوگ کربلا میں تھے وہ علی کے بیٹے جعفر کے بیٹے۔ عقیل کے بیٹے حسن کے بیٹے اور خود امام حسین کے بیٹے تھے۔ ان میں سے پہلے جو جنگاہ میں آئے وہ عبداللہ ابن مسلم ابن عقیل تھے جن کی ماں رقیہ بنت علی ابن ابی طالب تھیں۔ انھوں نے جنگ کی اور شہادت پر فائز ہوئے پھر ان کے بعد محمد بن مسلم بن عقیل نکلے۔ انھوں نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا آخر میں شہادت پائی۔ پھر ان کے بعد جعفر ابن عقیل آئے یہ بھی جنگ کرکے شہید ہو گئے۔ پھر عبدالرحمن ابن عقیل آئے جنگ کی اور شہید ہوئے ان کے بعد محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب میدان قتال میں آئے جنگ کی اور شہید ہو گئے پھر ان کے بعد ان کے بھائی عون آئے جنگ کرکے شہید ہو گئے۔

ان کے بعد قاسم ابن امام حسنؑ میدان جنگ میں آئے وہ ابھی

لڑکے تھے بالغ نہیں ہوئے تھے۔ جب امام حسینؑ نے ان کی طرف دیکھا گلے سے لگالیا اور دونوں ملکر بہت روئے یہاں تک کہ دونوں پر غشی طاری ہوگئی انھوں نے اپنے چچا سے جنگ کی اجازت چاہی۔ امام حسین علیہ السلام نے اجازت دینے سے انکار کیا۔ مگر وہ بچہ مچل گیا اپنے چچا کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیتا رہا یہاں تک کہ امام حسین علیہ السلام نے اجازت دیدی حضرت قاسم برائے قتال خیمہ سے نکلے اسوقت ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ان کا چہرہ چاند کے ٹکڑے کیطرح تھا۔ انھوں نے شدید جنگ کی اور شہید ہوگئے۔

حمید ابن مسلم کہتا ہے کہ میں ابن سعد کے لشکر میں موجود تھا میں دیکھ رہا تھا اس بچے کو جو بجائے جنگی لباس کے صرف قمیص اور ازار پہنے ہوئے تھا پاؤں میں جوتے تھے ان میں سے ایک کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا۔ میں بھولتا نہیں ہوں تو شاید وہ بائیں پاؤں کے جوتے کا تسمہ تھا جو ٹوٹا ہوا تھا۔ اس بچے کو دیکھ کر عمر ابن سعد الازدی نے کہا میں اس بچے پر ٹوٹ پڑوں گا۔ میں نے کہا سبحان اللہ تیرا ارادہ کیا ہے۔ اگر وہ مجھے مارے بھی تو میں اسپر ہاتھ نہ اٹھاؤں، کیا اتنا کافی نہیں ہے کہ اتنے بڑے ہجوم نے اسے گھیر رکھا ہے۔ اس نے

کہا نہیں خدا کی قسم میں ضرور اس پر حملہ کروں گا۔ چنانچہ وہ اس بچہ پر ٹوٹ پڑا اور قتل کر کے واپس لوٹا۔ وہ بچہ اس کی ضرب سے منہ کے بھل گر پڑا اور پکارا "واعماہ! ہائے میرے چچا!"

حسینؓ اس آواز کو سن کر باز کی طرح جھپٹ پڑے اور اس بچے تک پہونچے۔ غضبناک شیر کی طرح حملہ کیا اور قاسم کے قاتل عمرو کو تلوار ماری اس نے ہاتھ سے روکنا چاہا جس سے اس کی کہنی پر ضرب آئی۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی اور وہ دور ہٹ گیا پھر کوفے کے سواروں نے عمرو کو حسینؓ سے بچانے کے لئے یلغار کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچے کی لاش گھوڑوں کے قدموں تلے پڑ گئی اور اس پامالی میں دم گیا جب غبار چھٹا تو حسین اس بچے کے سرہانے کھڑے ہوئے نظر آئے۔ وہ اپنے پیروں سے کچھ تلاش کر رہے تھے۔ حسینؓ نے کہا "خدا کی قسم قاسم اس بات کا تیرے چچا کو سخت صدمہ ہے کہ تو اپنے چچا کو آواز دے اور وہ کوئی جواب نہ دے سکے اور جواب دے تو نصرت نہ کر سکے۔ ہلاک ہو وہ قوم جس نے تجھے قتل کیا۔ پھر امام حسینؓ نے اس بچے کو اٹھایا اور اس طرح لے کر چلے کہ بچے کے دونوں پیر زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ امام حسین اس کے سینے کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھا۔ میں نے سوچا حسینؓ آخر

کیا کر رہے ہیں۔ وہ اسے لے کر گئے اور اہلبیت شہداکی لاشوں کے درمیان ڈال دیا۔ پھر فرمایا اللھم احصہم عددا واقتلھم بددا ولا تغادر منہم احدا ولا تغفرلھم ابدا صبرا بنو عمومتی صبرا یا اھلبیتی لا رائیتم ھوانا بعد ھذا الیوم۔ اے اللہ تو ان کو گن لے اور ان کے پرخچے اڑا ڈال۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑ اور ان کے گناہ کبھی نہ معاف کر۔ اے مجھے چچا کہنے والے بچو صبر کرو۔ اے میرے گھر کے لوگو آج کے بعد تم کو کبھی ذلت نہ اٹھانا پڑے گی۔

پھر عبداللہ ابن امام حسن تشریف لائے اور اشقیاء اللہ سے جہاد کرنے کے لئے اپنے چچا سے اجازت چاہی حسینؑ نے ان سے کہا اے بیٹے کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تجھ سے جدا ہو جاؤں۔ وہ مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ پھر ان کو اپنے باپ حسن کی وصیت یاد آئی کہ انھوں نے کہا تھا اے میرے بچے یہ تعویذ لو اور اپنے بازو پر باندھ لو۔ جب تم پر کوئی بہت بڑی مصیبت نازل ہو تو اس کو کھولنا اور اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہو اس پر عمل کرنا۔ عبداللہ نے سوچا اسوقت سے بڑھ کر اور کون سی مشکل گھڑی مجھ پر آ سکتی ہے۔ انھوں نے اسے کھولا اس میں لکھا تھا "اے

میرے بیٹے! جب تم اپنے چچا کے ساتھ کربلا میں ہونا تو اپنی جان اُن پر فدا کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہو جانا، وہ تعویذ لے کر عبداللہ اپنے چچا حسین ع کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حسینؑ نے اُن سے کہا اے میرے بھتیجے! اگر میرے بارے میں تمہارے والد نے تم کو کوئی وصیت کی ہے تو مجھے بھی میرے بھائی نے تمہارے لئے ایک وصیت کی ہے۔ پھر امام حسین ع نے ان کا ہاتھ پکڑ ا اور عورتوں کے خیمے کی طرف لائے۔ انھیں بہترین لباس پہنایا۔ اور بیاہ کا عمامہ سر پر باندھا۔ اُن سے کہا اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک یہ میری بیٹی سکینہ تمہارے والد کی امانت ہے۔ انھوں نے اس بات کی مجھ سے وصیت کی تھی، آج میں اپنی بیٹی تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔ پھر دونوں کا نکاح پڑھا۔ عبداللہ نے اپنی زوجہ سکینہ کا ہاتھ پکڑا اور تھوڑی دیر کے لئے الگ ایک جگہ جا کر بیٹھ گئے ابھی بیٹھے ہی تھے کہ ملاعین کوفہ و شام نے پھر مبارزت طلب کی۔ عبداللہ نے سکینہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ انھوں نے ہاتھ کھینچ کر کہا کہاں جاتے ہو، عبداللہ نے کہا قتل گاہ میں۔ اے سکینہ تمہارے اور میرے درمیان یہ فراق کا وقت ہے، جناب سکینہ رونے لگیں اور کہا کہ "پھر ہم کب ملیں گے۔ انشاءاللہ جب قایم القیامت ظہور کریں گے۔ جناب سکینہ نے فرمایا کس جگہ پر؟ کہا اپنے اور تمہارے نانا رسول اللہ کے پاس"۔ جناب سکینہ نے کہا میں کس نشانی سے تم کو پہچانوں گی عبداللہ

نے کہا اس پھٹی ہوئی قمیض سے ۔ جب حسین ؑ نے ان کو دیکھا تو کہا اے میری آنکھ کا نور میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا ارادہ جہاد کرنے کا ہے ۔ پھر عبداللہ کا گریبان چاک کر کے کفن کی طرح پہنا دیا ۔ اور سر پر میت کی طرح عمامہ باندھا ۔ پھر کہا میں تم کو حوالے کرتا ہوں خدا کے ۔ اور عبداللہ آگے بڑھ گئے ۔

میدان میں آکر عبداللہ نے کہا اے عمرو ابن سعد ملعون تو فرات کا پانی پیتا ہے اور اولاد رسول کو پینے سے منع کرتا ہے ۔ عمرو کا لشکر اُن کی ہیبت سے ڈر کر پیچھے ہٹ گیا ۔ حضرت عبداللہ اشقیاء پر حملہ آور ہو کر ان کو قتل کرنے لگے ۔ پھر جنگ کر کے میدان سے لوٹے ۔ امام حسین ؑ کے پاس آکر کہا ہائے بہت پیاس لگی ہے ۔ آپ نے فرمایا اے دلبند صبر کر ۔ تیرے نانا رسول اللہ تجھ کو ایسا جام پلائیں گے کہ تو پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا ۔ پھر انھوں نے اپنی بیوی اور ماں کو بین کرتے ہوئے سنا تو جا کر ان کو صبر کی تلقین کی ۔ پھر قتل گاہ میں آئے اور حملہ کیا ۔ دشمنوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا ۔ اور اُن کو بہت بری طرح زخمی کیا ۔ ایک نیزے کے صدمے سے عبداللہ گھوڑے پر سے نیچے گر پڑے ۔ انھوں نے پکارا " وا عماہ " " اے چچا میری مدد کیجئے " حسین علیہ السلام آئے اور گھوڑے پر اٹھا لیا ۔ عورتوں کے خیمے میں لا کر ان کی والدہ کے پاس چھوڑ دیا ۔ وہ خون میں نہلائے ہوئے تھے ۔ انھوں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا اے چچا آج میں آپ پر قربان ہو گیا

یہ میرے نانا۔ میری نانی اور میری ماں مجھے بلا رہی ہیں، وہ لوگ کہہ رہے ہیں تمہارے لئے جام تیار ہے۔ اتنا کہنے کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی۔ خدا کی رحمت کا نزول ہو ان پر۔

اب حضرت عباس آئے اور امام حسین ؑ سے اجازت چاہی، ان کو سقہ کہا جاتا ہے۔ وہ بہت سجیلے اور خوش رو جوان تھے۔ اتنے طویل القامت تھے کہ جب وہ گھوڑے پر بیٹھتے تھے تو اُن کے پاؤں زمین چھوتے رہتے تھے۔ ان کو لوگ بنی ہاشم کا چاند کہتے تھے۔ حسین علیہ السلام کا علم اُن کے ہاتھ میں تھا۔ جب انھوں نے اپنے بھائی کو تنہا دیکھا تو حاضر خدمت ہوئے۔ انھوں نے کہا " بھائی! کیا مجھے اجازت نہیں دیجئے گا"۔ حسین خوب روئے اور فرمایا کہ تم تو میرے لشکر کے علمدار ہو۔ اگر تمہیں چلے جاؤ گے تو میرا لشکر منتشر ہو جائیگا عباس نے کہا۔ آپ کی مصیبت دیکھ کر میرا جی کڑھ رہا ہے۔ اور میں زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ اور میں ان ملعون منافقوں سے اپنا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ حسین ؑ نے کہا اچھا تو بچوں کے لئے کچھ پانی لیتے آؤ۔ عباس دشمنوں کے لشکر کے پاس آئے۔ اُن کو نصیحت کی اور ڈرایا، دشمنوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آپ اپنے بھائی کے پاس واپس آگئے، اور ان کو اس امر سے باخبر کیا کہ گفتگو کا کوئی اثر دشمنوں پر نہیں ہوتا۔

پھر حضرت عباس نے سنا کہ بچے العطش العطش! پکار رہے ہیں۔ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ نیزہ اور مشکیزہ ساتھ لیا۔ پیچھے پیچھے اُن کے بھائی علی کے بیٹے عثمان عبداللہ اور جعفر تھے۔ ان سبھوں نے فرات کا قصد کیا۔ فرات کے چار ہزار پہرہ داروں نے ان کو روک لیا۔ ان پر تیر برسائے۔ حضرت عباس نے حملہ کر کے ۸۰ دشمنوں کو مار ڈالا۔ دریائے فرات میں گھوڑا ڈالا۔ انھوں نے چلّو بھر کر پانی پینا چاہا تو حسینؑ کے اہل بیت کی پیاس یاد آ گئی۔ ہاتھ سے پانی پھینک دیا۔ اور مشک بھر کر داہنے بازو پر رکھی۔ اور خیمے کی طرف چلے۔ اس معرکہ میں اُن کے بھائی عبداللہ جن کی عمر پچیس برس کی تھی شہید ہو گئے۔ اور عثمان جن کی عمر ۲۱ برس کی تھی اور جعفر جن کی عمر ۱۷ برس کی تھی یہ سب اسی کارزار میں شہید ہو گئے۔ خدا کی رحمت نازل ہو، ان سب پر۔ ان میں سے کسی کی بھی اولاد نہیں تھی۔

اب دشمنوں نے حضرت عباس کا راستہ روک لیا۔ اور چاروں طرف سے گھیر لیا۔ عباس اُن سے لڑے اور اُن کو بھگا دیا۔ زید بن ورقہ ایک کھجور کے درخت کی آڑ میں چھپا تھا۔ حکیم بن طفیل السنبسی نے زید بن ورقہ کی اعانت کی۔ اس نے عباس کے داہنے ہاتھ کو قلم بند کر دیا۔ انھوں نے تلوار بائیں ہاتھ میں پکڑی اسکو بھی قلم کر دیا گیا۔ پھر آپ نے مشک کو دانتوں سے پکڑ لیا۔ اور گھوڑے کو ایڑ لگائی تاکہ

لب تشنہ اہل بیت کے ہاتھوں تک پانی کو پہونچا دیں۔ ایک تیر آیا اور مشکیزہ پر لگا
تمام پانی بہہ گیا۔ پھر ایک دوسرا تیر سینے پر آ کر لگا۔ عباس گھوڑے سے زمین
پر تشریف لائے۔ اور پکارا کہ:۔ بھائی حسینؑ میری مدد کرو۔ جب حسینؑ
آئے تو ان کو فرات کے کنارے زمین پر پڑا پایا۔ حسینؑ ان کو اٹھا کر خیمے
میں لائے۔ اور کہا: اس وقت میری کمر ٹوٹ گئی۔ اب کوئی چارۂ کار نہیں رہا
عباس جب شہید ہوئے تو ان کی عمر ۳۴ برس کی تھی۔

علی ابن حسین کہتے ہیں کہ میرے چچا عباس نے سخت مصیبت جھیلی ہے
اور اپنے بھائی پر اپنی جان کو قربان کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے دونوں
بازو کٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دو بازو عطا کئے جن کی مدد سے وہ ملائکہ
کے ساتھ جنت میں اڑتے ہیں۔ جسطرح جعفر ابن ابی طالب کو اللہ تعالیٰ نے دو
بازو دیئے۔ اللہ کے نزدیک عباس کو وہ مقام حاصل ہے جس پر قیامت کے دن
تک سب شہدا رشک کریں گے۔

عباس کے متعلق ان کے پرپوتے نے یہ اشعار کہے ہیں جو ان کا مرثیہ
بھی ہے:۔

احق الناس ان یبکی علیہ اذا بکی الحسین بکربلا
اخوہ وابن والدہ علی ابو الفضل المضرج بالدماء

ومن واساہ لا یثنیہ شیٔ فجاء لہ علیٰ عطش بماء

جب کربلا کے سلسلہ میں حسین کا ماتم کیا جائے تو عباس سب سے زیادہ حقدار ہیں اس بات کے کہ ان پر رو دیا جائے۔ ان کے بھائی اور اُن کے والد علی کے بیٹے ابوالفضل العباس خون میں غلطاں ہو گئے۔ جس نے ان کی مدد کیا کسی چیز کی لالچ بھی ان کو اپنے ارادے سے باز آنے پر مجبور نہ کر سکی۔ اور پیاس کی حالت میں وہ پانی لائے ــــــــــ !

جب حضرت عباس شہید ہو گئے تو علی ابن الحسین آگے بڑھے اس وقت ان کی عمر ۱۸ برس کی تھی۔ جب حسین نے اپنے کڑیل جوان بیٹے کو دیکھا تو اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اور بے ساختہ رو پڑے۔ آسمان کی طرف اپنی کلمہ کی انگلی اٹھائی اور کہا۔ اللّٰھمّ اشھد علیٰ ھٰؤلاء القوم لقد برز الیھم غلام اشبہ الناس خلقاً وخلقاً ومنطقاً برسولك وکنا اذا اشتقنا الی نبیك نظرنا الی وجھہ اللّٰھم امنعھم برکات الارض وفرّقھم تفریقاً واجعلھم طرائق قددا ولا ترض الولاۃ عنھم ابدا فانھم دعونا لینصرونا ثم عدوا علینا یقاتلوننا ذریۃ بعضھا من بعض واللہ سمیع علیم۔ بار الٰہ گواہ رہنا ان لوگوں کے افعال کا کہ میں اب اس لڑکے کو ان کی طرف بھیج رہا ہوں جو فطرتاً اخلاقاً

اور زبان و بیان میں تیرے نبی سے بہت مشابہہ ہے۔ جب بھی تیرے نبی کے دیدار کا جی چاہتا ہے تو ہم اوس کے چہرے کو دیکھ لیا کرتے تھے بار الہٰ ان لوگوں پر زمین کے برکات کو منقطع کر دے ان کو تتر بتر کر دے اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ اور ان کے راستے کو الگ کر دے ان میں سے ہمیشہ کیلئے اب کسی کو حاکم نہ بنا کیونکہ انھوں نے ہم کو نصرت کے وعدے سے بلایا تھا مگر ہمارے خلاف ہو گئے اور ہم سے لڑنے لگے۔

پھر حسین نے عمر و سعد کو پکار کر کہا۔ تجھے کیا ہو گیا ہے۔ خدا تیری نسل کو قطع کرے خدا تیرے کام میں برکت نہ دے اور خدا میرے بعد تجھ پر ایک ایسے شخص کو قابو دیدے جو تجھے تیرے بستر پر قتل کر دے جس طرح تو نے میری نسل کو قطع کیا ہے۔ اور رسول اللہ سے جو میری قرابت ہے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی پھر حسین نے با آواز بلند یہ آیت تلاوت کی ؎

ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحاً و آل ابراہیم و آل عمران علی العالمین ذریۃ بعضھا من بعض و اللہ سمیع علیم ہ اللہ نے آدم و نوح آل ابراہیم و آل عمران کو تمام عالمین میں سے منتخب کر لیا ہے۔ بعض کی ذریت بعض سے افضل ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اللہ ہی سننے والا ہے اور جاننے

والا ہے ۔

پھر علی ابن الحسینؑ نے حملہ کیا ۔ دشمنوں نے آپ سے کہا کہ تم یزید کے رشتہ دار ہو ۔ انھوں نے یہ بات اس لئے کہی کہ میمونہ بنت ابی سفیان حضرت علی ابن الحسین کی نانی ہوتی تھیں ۔ پھر اعدا نے کہا اگر ہماری طرف آجاؤ تو ہم تم کو امان دیں علی ابن حسین نے ان سے کہا رسول اللہ کی قرابت کا لحاظ زیادہ ضروری ہے ۔ پھر ان پر حملہ کیا اور یہ شعر پڑھا ۔

انا علی ابن الحسین ابن علی ؛ نحن وبیت اللہ اولیٰ بالنبّی
اضربکم بالسیف احمی عن ابی ؛ تا اللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

میں علی ابن حسین ابن علی ہوں ۔ قسم ہے خانہ کعبہ کی ہم نبیؐ سے زیادہ قریب ہیں میں تم کو قتل کروں گا اور اپنے والد کو بچاؤں گا ۔ خدا کی قسم ہم پر کوئی ولدالزنا حکومت نہیں کر سکتا ۔

وہ لڑتے رہے ۔ یہاں تک کہ لوگ پکار اٹھے مقتولین کی تعداد دیکھ کر پھر آپ اپنے والد کی خدمت میں آئے ان کے جسم پر بہت سے زخم تھے ۔ انھوں نے کہا اے پدر بزرگوار پیاس نے مجھے مار ڈالا اور اسلحہ جات کے بوجھ نے مجھے تھکا دیا ہے کیا کسی

طرح ایک گھونٹ پانی ملسکتا ہے جس سے میں تازہ دم ہو کر دشمنوں سے لڑسکوں حسینؑ رو دیے اور کہا پیارے بیٹے محمدؐ، علیؑ اور تمھارے باپ کو یہ بہت گراں گزر رہا ہے کہ تم ان سے سوال کرو اور وہ اسے پورا نہ کر سکیں۔ ان سے مدد چاہو وہ مدد نہ کر سکیں۔ اے بیٹے اپنی زبان میرے منہ میں دیدے علی ابن الحسین نے اپنی زبان امام حسین کے منہ میں دیدی۔ پھر امام حسین نے اسے چوسا اور اپنی انگوٹھی ان کو دیدی اور کہا اسے اپنے منہ میں رکھو اور دشمنوں سے جنگ کرنے کے لئے جاؤ مجھے امید ہے کہ شام ہوتے ہوتے تمھارے نانا تم کو ایک لبریز جام پلائیں گے جس کے بعد تم کو کبھی پیاس نہ لگیگی یہ سن کر وہ جنگاہ کی طرف لوٹے لڑتے رہے اور آخر میں شہید ہو گئے جب روح حلقوم تک پہنچی تو اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے کہا "وا ابتاہ" اے بابا یہ لیجیئے میرے نانا رسول اللہ نے اپنا لبریز جام پلا دیا۔ اب میں کبھی پیاسا نہ رہوں گا۔ اور فرماتے ہیں کہ جلدی کرو تمھارے لئے شہد سے بھرا ہوا پیالہ موجود ہے تم ابھی اسے پیو گے۔ حسین چلائے اور کہا اللہ اس قوم کو ہلاک کرے جس نے تجھے قتل کیا۔ کہتے

دلیر ہو گئے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کی بے حرمتی کرنے کے لئے تمہارے بعد دنیا میرے لئے مٹ چکی ہے۔

صاحب رسالۂ اخوان الصفا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جان لے اے بھائی قربانی دو قسم کی ہے۔ شرعی اور فلسفی۔ تیسری کوئی قسم نہیں۔ شرعی قربانی وہ ہے جو حسب شرائط ایام حج میں ان حیوانات کو ذبح کرکے کی جاتی ہے جن کا تذکرہ پہلے سے قرآن اور رسول نے کردیا ہے۔ جانوروں کی صحیح وسالم اقسام میں سے کسی جانور کو لے کر ایسے مواقع پر ذبح کرنا جب ذبح کرنا ضروری ہے۔ ان میں سب سے بڑی قربانی اس جانور کی ہے جو قیمت میں سب سے زیادہ ہے اور جو سب سے خوبصورت ہے جو کھانے والوں کے لئے۔ بہترین غذا ثابت ہو جو تقسیم ہونے پر لوگوں کا پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہو۔ جو قربان ہو کر مالک حقیقی کی خدمت میں پیش کر دی جائے پاک روح اور نیت صادقہ کے ساتھ۔ ایسی قربانی مقبول ہوتی ہے مفید کفارہ ثابت ہوئی ہے اور قبول شدہ دعا کہی جا سکتی ہے۔ یہ شرعی قربانی ہے۔ رہ گئی فلسفیانہ قربانی وہ بھی اسی طرح کی ہے لیکن اس کا منشا یہ ہے کہ اجسام کو قربان کرکے اللہ کی قربت حاصل کی جائے۔ اسکو

بے خوف ہو کر قربان کیا جائے۔ اے بھائی یقین جان کہ سب سے بڑی قربانی دنیا کی محبت کو ترک کر دینا اور اس میں زہد و تقویٰ اختیار کرنا ہے۔ موت سے نہ ڈرنا بلکہ اسی کی تمنا کرنا سب سے بڑی قربانی ہے۔ اخوان الصفا کی قربانی میں ان تمام شرعی اور فلسفی شرائط کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اس کا مقصد قربت حاصل کرنا ہے۔ اس سے جس سے ابراہیم نے قربت حاصل کی (بعینہ یہی کیفیت میدان کربلا میں حسین کی قربانیوں کی کہی جا سکتی ہے) حضرت علی اکبر کی شہادت کے بعد حسین نے داہنی طرف دیکھا کسی کو نہ پایا بائیں جانب دیکھا کسی کو نہ پایا۔ حضرت امام زین العابدین نکلے آپ بیمار تھے ایک تلوار اٹھانے کی بھی طاقت نہیں تھی ام کلثوم نے فرمایا تم نہ جاؤ بیٹا خیمے کے اندر چلو۔ جناب امام زین العابدین نے کہا اے پھوپھی مجھے جانے دیجئے تاکہ فرزند رسول اللہ کے سامنے جنگ کروں۔ حسین نے کہا اے کلثوم زین العابدین کو پکڑ لو تاکہ زمین آل محمد کی نسل سے خالی نہ ہو جائے حضرت ام کلثوم نے ان کو روکا اور خیمے کے اندر لے گئیں

جب حسین اپنے اہلبیت اور اولاد کا داغ اٹھا چکے۔ سوائے آپ کی

ذات کے اور عورتوں اور بچوں کے کوئی باقی نہ رہا تو آپ پکارے ہے کوئی رسول کے اہل حرم کی حفاظت کرنے والا کوئی توحید پرست جو خدا سے ڈر کر ہمارا خیال کرنے والا جو ہماری نصرت کرکے ثواب کا مستحق بنے" خیمے کے اندر سے عورتوں کے واویلا کی آوازیں بلند ہوئیں حسین خیمے کے دروازے پر گئے زینب نے علی اصغر کو دیا اور کہا کہ آپ کے اس بچے نے تین روز سے پانی کی ایک بوند نہیں پائی اس کے لئے پانی کی ایک گھونٹ مانگ لایئے۔ حسین اسے ہاتھوں پر لے کر باہر آئے اور کہا " اے لوگو! تم نے میرے دوستوں اور میرے عزیزوں کو قتل کر دیا۔ اے لوگو! اگر تم کو مجھ پر ترس نہیں آتا تو اس معصوم بچے پر رحم کھاؤ۔

اچانک حرملہ ابن کاہل نے ایک تیر مارا جس سے بچہ اپنے باپ کی گود میں تڑپ کر شہید ہوگیا۔ حسینؑ نے اس کا خون اپنے چلو میں لے لیا اور آسمان کی طرف پھینکا۔ پھر فرمایا کہ مجھ پر جو کچھ گزر رہی ہے وہ گراں نہیں ہے کیوں اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ زمین پر ایک خون نہیں ٹپکا۔ کہتے ہیں پھر امام نے فرمایا اللھم لا یکون اھون علیک

من فصیل اللھم ان کنت حبست عنا النصر فاجعل ذالک لمن ھو خیر لنا اے پروردگار تیرے نزدیک یہ بچہ ناقہ صالح سے کم نہ ہونا چاہیے بار الہٰ اگر تو نے ہماری نصرت کرنا بند کر دی ہے تو اس کی مدد کر جو ہمارے لئے بہتر ہے پھر اس بچے کو مقتولین اہلبیت میں ڈالدیا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام گھوڑے سے اترے اپنی تلوار کی نوک سے قبر بنائی اور ان کو اسی حالت میں دفن کر دیا۔

جب امام حسینؑ نے "بہتر ساتھیوں کو جو اہل بیت اور انصار میں سے تھے"
خاک و خون میں غلطاں دیکھ لیا تو آپ نے اپنا رخ خیمے کی طرف کیا اور پکارے
اے سکینہ! اے فاطمہ! اے زینب! اے ام کلثوم! تم پر میرا سلام ہو، آپ
نے ان کو دُہرے دہرے کپڑے پہننے کا حکم دیا۔ اس پر جناب سکینہ نے پوچھا کہ
بابا کیا آپ بھی مرنے پر آمادہ ہیں، امام حسین نے فرمایا "وہ کیا کرے جس کا کوئی مددگار
باقی نہ رہا ہو۔" جناب سکینہ نے فرمایا "بابا تو پھر ہمیں اپنے نانا رسول اللہ کے حرم
تک پہونچا دیجئے۔" امام حسین نے فرمایا کہ "اب راستے مسدود ہیں۔ اگر بھٹ تیتر
کو بھی چھوڑا جائے تو وہ سلامت رہ کر اس نرغے سے نہیں نکلسکتا" یہ سن کر عورتیں
فریاد کرنے لگیں۔ امام حسینؑ نے ان کو تسکین دی ... دشمنوں پر حملہ کیا۔ پھر آپ نے
امام زین العابدین علیہ السلام کو طلب کیا اور اُن کو اسرار امامت و خلافت بتائے
اور بہت سی وصیتیں کیں۔ چونکہ عراق کی طرف آنے سے پہلے ہی آپ کو اپنی شہادت
کا یقین تھا، اس لئے آپ نے ام المومنین حضرت اُم سلمہ کو کتب انبیاء اور اوصیاء
اور اُن کے تمام تبرکات دیدی تھیں اور کہا تھا کہ جب امام زین العابدین کربلا سے

واپس آئیں تو ان کو یہ سب چیزیں دیدی جائیں۔ پھر امام اُٹھے اور گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ زینب نے جھپٹ کر گھوڑے کی لگام پکڑی اور پکار کر کہا "اے گذر جانے والوں کے جانشین، اے باقی رہنے والوں کے سہارے، اے ابو عبداللہ خدا کے لئے دشمنوں میں نہ جاؤ یہ لوگ تم کو قتل کر دیں گے۔ آل محمدؐ یتیم ہو جائے گی۔ مجھے آپ کی شہادت کا یقین ہو چکا ہے۔ امام حسین ان کو تسلی و تشفی دیتے رہے۔ مگر وہ روتی رہیں۔ یہاں تک کہ اُن پر غشی طاری ہو گئی۔ امام حسین علیہ السلام گھوڑے سے اترے، اور اُن کو گلے سے لگا لیا۔ اور اسی طرح اُن کو سہارا دیتے رہے، یہاں تک کہ وہ ہوش میں آ گئیں۔ امام حسینؑ نے فرمایا۔ صبر کرو! صبر کرو! صبر کرو! بہن نہ اہل زمین ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں نہ اہل آسمان۔ میرے نانا وفات پا گئے۔ اے زینب تم کو خدا کی قسم، جب میں شہید ہو جاؤں تو اپنا گریبان چاک نہ کرنا۔ نہ منہ پیٹنا نہ بال بکھیرنا۔ نہ واویلا کرنا اور نہ دشمنوں کو بدعا کرنا ——— !

امام حسینؑ جنگاہ میں آئے اور اشقیاء کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ زندگی سے مایوس تھے، مرنے کا عزم تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے کبھی کسی ایسے غمزدہ شخص کو نہیں دیکھا جس کا باپ اعزا اور احباب سب ہی اس سے جدا ہو گئے ہوں اتنا مضبوط دل رکھنے والا نہیں پایا جیسا کہ

حسینؑ نظر آتے تھے۔ جب سواروں کے دستے ان پر تلوار سے حملہ کر دیتے تو وہ ان پر جوابی حملہ کرتے اور دشمن یوں بھاگتے جیسے بھیڑیے کے حملے سے بھیڑیں بھاگ جاتی ہیں۔ امام حسینؑ ان دشمنوں پر تنہا حملہ کرتے تھے جن کی تعداد تیس ہزار تک پہونچ چکی تھی۔ مگر وہ اسطرح ڈر کر بھاگتے جیسے ٹڈیوں کے دل پھٹ کر نکل جاتے ہیں۔ پھر امام حسین علیہ السلام جہاں سے حملہ کرتے وہیں لوٹ آتے اور کہتے لاحول ولا قوۃ الا باللہ امام حسینؑ برابر جنگ میں مصروف رہے اور ایک ہزار نو سو پچاس اشقیا کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ عمر ابن سعد نے اپنے لشکر سے کہا کہ وائے ہو تم پر، تمہاری ماں مرے۔ تم جانتے ہو کس سے مقابلہ ہو رہا ہے۔ یہ اس کشادہ پیشانی اور بڑے پیٹ والے کا بیٹا ہے۔ یہ عرب کے سب سے بڑے کافر کش کا بیٹا۔ اس پر ہر طرف سے حملہ کر دو۔ پھر تو چار ہزار تیر انداز امام حسینؑ پر تیر برسانے لگے۔ اور چاروں طرف سے آپ کو یوں گھیر لیا کہ خیمہ گاہ آپ کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ امام حسینؑ نے ان کو پکار کر کہا، اے ابوسفیان کے بیٹے کے چاہنے والو۔ اگر تمہارا کوئی مذہب نہیں ہے اور تم کو قیامت کا کوئی ڈر نہیں ہے تو اپنی دنیا کو تو غلامی کی پابند نہ کرو۔ اگر عرب ہو تو اپنے خاندانی خصوصیات ہی کا لحاظ کرو۔

شمر لعنت اللہ علیہ نے امام حسینؑ کو پکار کر کہا اے فاطمہ کے بیٹے تو کیا

کہتا ہے۔ امام حسینؑ نے کہا میں یہ کہتا ہوں کہ میں تم سے لڑتا ہوں تم مجھ سے لڑتے ہو۔ عورتوں کا اس میں کوئی قصور نہیں جب تک میں زندہ ہوں اس وقت تک تو میرے گھرانے پر نظر نہ ڈالو۔ شمر نے کہا اچھا تو تمہارا کہا کئے دیتے ہیں۔ پھر چلا کر کہا اے لوگو اس کی خیمہ گاہ سے دور ہٹ جاؤ۔ صرف اسی کو قتل کرو۔ خدا کی قسم یہ بہترین مقابل ہے ہم لوگوں کا۔

دشمنانِ خدا حسینؑ کی طرف بڑھے۔ امام حسینؑ ایک گھونٹ پانی مانگ رہے تھے۔ امام حسینؑ جب بھی اپنے گھوڑے کو فرات کی طرف دوڑاتے، سب کے سب آپ پر ٹوٹ پڑتے اور آپ کو دریا سے دور تر کر دیتے۔ پھر حسینؑ نے امور سلمیٰ اور عمرو بن حجاج زبیدی پر حملہ کیا۔ یہ دونوں گھاٹ کے چار ہزار محافظین کے سردار تھے۔ امام حسینؑ نے ان سب کو منتشر کر دیا۔ اور گھوڑے کو دریائے فرات میں ڈال دیا۔ جب گھوڑے نے اپنا سر دریا میں پانی پینے کے لئے ڈالا۔ امام حسینؑ نے فرمایا تو بھی پیاسا ہے میں بھی پیاسا ہوں۔ خدا کی قسم میں پانی نہ پیوں گا جب تک تو پانی نہ پی لے۔ جب گھوڑے نے امام حسین علیہ السلام کے یہ جملے سنے تو اپنا منہ پانی سے اٹھا لیا۔ اور پانی نہ پیا۔ شاید اس نے امام کے کلام کو سمجھ لیا تھا۔ امام حسینؑ نے فرمایا تو بھی پانی پی لے میں بھی پانی پیتا ہوں۔ امام حسینؑ نے ہاتھ بڑھا کر ایک چلو پانی لیا۔ اتنے میں ایک سردار نے آواز دی۔ اے ابو عبداللہ!

تم یہاں پانی کا مزہ لے رہے ہو وہاں تمہارے اہل حرم کی بے حرمتی ہو رہی ہے'
حسینؑ نے ہاتھ سے پانی پھینک دیا۔ اور فوج پر حملہ کر دیا۔ اُسے کائی کی طرح
پھاڑتے ہوئے خیمہ گاہ تک پہونچے۔ دیکھا کہ خیمے صحیح سلامت ہیں۔ پھر امام حسینؑ خیمے
کے در تک گئے۔ اہل بیت میں ایک ایک سے وداع ہوئے اور اُن کو صبر کی تلقین
کی۔ اور اُن کو یقین دلایا کہ ان مصائب کی بہترین جزا ملے گی۔ اور اُن کو حکم دیا
کہ اندر تہہ بند پہن لیں۔ اور آزمایش کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور اس کا یقین
رکھو کہ اللہ تمہارا محافظ اور حامی ہے۔ اور عنقریب تم کو دشمنوں کے شر سے نجات
دے گا۔ اور تمہارا انجام بہتر کرے گا۔ اور تمہارے دشمنوں کو طرح طرح کی بلاؤں
میں مبتلا کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تم کو مصیبت کے عوض میں طرح طرح کی نعمتوں
اور عزت سے نوازے گا۔ تم اللہ سے شکوہ نہ کرنا زبان سے کوئی ایسی بات
نہ کرنا جو تمہاری شان کے خلاف ہو۔ پھر امام حسین دشمنوں سے لڑنے کی طرف
متوجہ ہوئے۔ ان میں سے بہتوں کو قتل کیا۔ سواروں اور بہادروں کو زیر کیا۔
دشمنوں میں سے ایک شخص نے آپ کی پیشانی پر تیر مارا۔ آپ نے اس تیر کو کھینچ کر
نکالا۔ خون آپ کے چہرے سے اور ریش مبارک سے بہنے لگا۔ پھر آپ نے
فرمایا:۔ اللھم انک تری ما انا فیہ من ھؤلاء العصاة اللھم
احصھم عددا واقتلھم بددا ولا تذر علی وجہ الارض احدا

ولا تغفر لھم ابدا ۔ بار الہٰ تو دیکھتا ہے ان سرکشوں کے ہاتھوں جو کچھ مجھ پر گذر رہی ہے ۔ بار الہٰ تو ان میں سے ایک ایک کو گن لے اور چن چن کر ہلاک کر۔ اور زمین کی پشت پر کسی ایک کو نہ باقی رکھ ۔ اور ان کو کبھی بھی معاف نہ کر۔

پھر آپ نے اُن پر غضب ناک شیر کی طرح حملہ کیا۔ آپ اُن میں سے جس پر بھی حملہ کرتے اُسے فی النار کر دیتے ۔ تیر ہر جانب سے آپ پر آتے ۔ اور آپ ان کو سینے اور گردن پر روک لیتے ۔ یہاں تک کہ آپ کے جسم میں اتنے تیر لگے اور اس طرح دکھائی دینے لگے جیسے سیہی کا جسم ہو۔ آپ فرماتے " اے بدنصیب امت! تم نے محمد کے بعد ان کی آل کے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔ خدا کی قسم میں امید رکھتا ہوں کہ تم مجھے جتنا ذلیل کر رہے ہو اس کے عوض میں خدا مجھے شہادت پر فائز کر کے اس سے زیادہ عزت دے گا۔ پھر میرا بدلہ تم سے ایسی جگہ لیا جائے گا، جہاں کا تم کو سان گمان بھی نہ ہو گا۔ تمہاری ہی طاقت سے تم کو توڑے گا۔ اور تمہارا خون بہائے گا۔ پھر تم پر سخت عذاب نازل کریگا

امام حسین علیہ السلام جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کا جسم زخموں سے چور ہو گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے جسم میں نشتر زخم تلوار کے اور نشتر نیزوں کے تیروں کے زخموں کا کوئی حساب نہیں ہے ۔ ایک روایت ہے کہ آپ کی خدمت میں ملائکہ کے ہر درجے سے ان کا گروہ آیا

جیسے آسمان کے فرشتے، زمین کے فرشتے، دریا کے فرشتے، اور اُن کے علاوہ دوسرے فرشتے بھی۔ ان میں سے ہر ایک اللہ کے دشمنوں کو آنکھ جھپکتے ہلاک کر دینے کے لئے اپنی اور اپنے گروہ کی خدمات پیش کرتا تھا۔ امام حسینؑ جبریل امین کی طرف متوجہ ہوئے۔ اُن سے پوچھا پیدا کرنے والے عزت والے اور عظمت والے پروردگار کی مرضی اس بارے میں کیا ہے۔ (میں شہید ہوجاؤں یا ان لوگوں کو ہلاک کر دوں) حضرت جبریل علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اسکی مرضی یہ ہے کہ تم شہادت کے درجے پر فائز ہوتا کہ لوگوں میں کلمۂ شہادت کا رواج ہو۔ یہ سنکر آپ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے پھر شہید ہو گئے۔

جب آپ میں لڑنے کی طاقت نہیں رہی تو آپ گھوڑے سے اترنے لگے، گھوڑے نے دیکھا کہ امام حسینؑ پشت پر سے گرے جا رہے ہیں۔ گھوڑے نے اپنا سر اور پیشانی خون سے تر کرلی۔ اور خیمہ گاہ کی طرف ہنہناتا ہوا چلا۔ جب ام کلثوم نے یہ آواز سنی تو ان کو گمان ہوا کہ امام حسین واپس آگئے ہیں۔ مگر جب دیکھا کہ گھوڑا بغیر سوار کے ہے تو اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور باواز بلند فریاد کرنے لگیں:۔ وا محمداہ وا احمداہ وا ابا لقاسماہ وا علیاہ وا جعفراہ وا حمزتاہ وا عقیلاہ وا حسناہ وا حسیناہ ۔حسین کربلا کے چٹیل میدان میں قتل ہوئے ۔گردن کے پیچھے سے آپ کا سر کاٹا گیا ۔عمامہ اور عبا

چھین لی گئی ہے۔ پھر وہ غش کھا کر گر پڑیں ادھر امام حسین اٹھ کر بیٹھ گئے تا کہ کچھ دیر آرام کریں کہ اچانک ایک پتھر آپ کی پیشانی پر لگا۔ آپ نے چہرے کے خون کو کپڑے سے پوچھنا چاہا کہ ایک تیر سہ شعبہ آپ کے سینے پر آ کر لگا اور بعض روایات میں ہے کہ آپ کے دل میں لگا حسین کے منہ سے نکلا بسم اللہ وباللہ وعلے ملۃ رسول اللہ۔ پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا:۔

الٰہی انک تعلم انھم یقتلون رجلاً لیس علی وجہ الارض ابن نبی غیرہ

میرے پروردگار تو اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ لوگ اس کو قتل کر رہے ہیں جسکے علاوہ زمین پر تیرے نبی کا کوئی اور بیٹا نہیں ہے پھر آپ نے تیر کو پکڑ کر پیٹھ کی طرف سے نکال لیا۔ خون پرنالے کی طرح بہنے لگا آپ نے زخم پر اپنا ہاتھ رکھا جب بھر گیا تو اسکو آسمان کی طرف پھینکا۔ اسمیں سے ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں پڑا آسمان پر سرخی دوڑ گئی یہ سرخی حسین کے خون اچھالنے سے پہلے نہ تھی۔ پھر آپ نے دوسری مرتبہ زخم پر ہاتھ رکھا جب چلو بھر گیا تو اس سے آپ نے اپنا سر اور ڈاڑھی تر کر لی اور فرمایا" کہ میں اسی طرح خون میں نہایا ہوا اپنے نانا رسول اللہ سے ملوں گا اور کہوں گا اے اللہ کے رسول مجھے

فلاں فلاں نے قتل کیا ہے۔ شمر نے پکار کر کہا کہ لوگو اب کس بات کا انتظار ہے۔ اس شخص کے اندر کیا اب دھرا ہے زخموں اور تیروں نے تو اسے چور چور کر دیا ہے۔ اس پر حملہ کرو۔ تمھاری ماں تمھارے ماتم میں بیٹھے

دشمنوں نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ حصین بن تمیم نے آپ کے منہ پر ایک تیر مارا اور ابوایوب قندی نے آپ کے حلق پر ایک تیر مارا اور ذرعۃ ابن شریک التمیمی نے آپ کے بازو پر تلوار ماری اور سنان بن انس النخعی نے آپ کے سینے میں ایک نیزہ مارا۔ صالح بن وہب مزنی نے آپ کی پیٹھ پر ایک نیزہ مارا امام حسینؑ اپنی داہنی کروٹ ہو کر زمین پر گر پڑے۔ پھر اٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے اور تیر کو حلق سے نکالا۔ اور اپنی دونوں ہتھیلیاں بڑھا کر ان میں خون بھر لیا اور اس سے اپنے سر اور ڈاڑھی کو تر کر لیا اور فرماتے جاتے تھے۔ میں اسی طرح خون میں نہایا ہوا اپنے پروردگار سے ملونگا۔ اندر ایں صورت کہ میرا حق غصب کر لیا گیا ہے۔ آپ کیطرح عمر ابن حجاج آپ کا سر کاٹنے کے لئے بڑھا جب امام حسین علیہ السلام نے اس کو دیکھا تو اس کے سامنے اپنی دونوں آنکھیں

کھول دیں۔ اس کے ہاتھ کانپ اٹھے۔ اس نے تلوار کو نیام میں کر لیا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ گیا۔ اس سے سنان ابن انس النخعی نے کہا کہ وائے ہو تجھ پر کیوں تونے اس کو قتل نہیں کیا۔ تیری ماں تجھ پر روئے! "عمر ابن حجاج نے کہا" انھوں نے جب اپنی آنکھیں میری طرف کیں تو میں نے دیکھا کہ وہ رسول اللہ کی آنکھوں سے مشابہہ تھیں تو مجھے شرم آئی اسے قتل کرتے ہوئے جو رسول اللہ سے مشابہ ہے اس سے سنان نے کہا تلوار مجھے دے میرا خیال ہے تجھ میں تلوار چلانے کا حوصلہ نہیں ہے اور سنان سر کاٹنے کیلئے حسینؑ کے پاس آیا حسین علیہ السلام نے اس کیطرف دیکھا تو اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور وہ بھی الٹے پاؤں بھاگا۔ ابن یزید الاصبحی نے اس سے کہا کہ تو بھی بزدل ہے ایک سر نہیں کاٹ سکتا۔ سنان نے اس کو جواب دیا خدا کی قسم حسینؑ نے میری طرف یوں دیکھا جیسے علی ابن ابیطالب قہر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ میرے تو ہوش اڑ گئے۔ پھر حسینؑ کے پاس شمر آیا اور اپنے پیر سے ٹھوکر ماری اور کہا اے ابوتراب کے بیٹے۔ کیا تجھے یہ گمان

نہیں تھا کہ تیرے والد کوثر پر اس شخص کو جام پلائیں گے جو ان سے محبت کرے گا۔ صبر کر۔ یہاں تک کہ ان سے جام کوثر ملے۔ پھر اس نے سنان سے کہا کہ حسین کا سر گردن کے پیچھے سے کاٹ لے۔ سنان نے کہا میں خدا کی قسم ایسا نہیں کر سکتا۔ قیامت کے دن اس سے محمد میرے دشمن ہو جائیں گے۔ شمر کو غصہ آگیا۔ حسینؑ کے مقدس سینے پر بیٹھ گیا حسین نے اس سے کہا کیا تو مجھے قتل کرے گا اور کیا تو نہیں جانتا میں کون ہوں شمر نے کہا میں تم کو اچھی طرح پہچانتا ہوں تمھاری ماں فاطمۃ الزہرا ہیں۔ تمھارے باپ علی مرتضیٰ ہیں۔ تمھارے نانا محمد مصطفیٰ ہیں اور تمھارا انتقام لینے والے علی مرتضیٰ ہیں بایں ہمہ میں تمہیں قتل کروں گا مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔ پھر وہ امام حسین علیہ السلام کے گلے پر تلوار چلانے لگا اس نے تلوار کو بارہ مرتبہ پھرایا۔ اس سے حسینؑ نے کہا کہ یہ رسول اللہ کی بوسہ گاہ ہے اس پر تلوار کا اثر نہیں ہو سکتا۔ اگر تو چاہتا ہے کہ میرا سر جسم سے جدا کرے تو مجھے اللہ کو آخری سجدہ کر لینے دے اور اس کی بارگاہ میں سر بسجود ہو کر کچھ دعائیں کر لینے دے۔

لعین حسینؑ کے سینے سے اتر آیا۔ حسین نے آخری سجدہ ادا

کیسا۔ اور اپنے نانا کی امت کے مومنین کے لئے دعائیں کیں اسی حالت میں شمر ملعون نے گردن کے پیچھے سے آپ کا سر کاٹ لیا۔ علی کی بیٹی زینب یہ دیکھ کر خیمے سے باہر نکل آئیں۔ وہ چلاتی جاتی تھیں وا اخاہ وا سیداہ۔ وا اہلبیتاہ۔ کاش زمین اور آسمان الٹ دیئے جاتے اور پہاڑوں کو زمین سے ٹکرا دیا جاتا۔ اسوقت آسمان پر سیاہ رنگ کا غبار چھانے لگا۔ سرخ آندھی چلنے لگی اسمیں کسی کو کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ لوگوں نے سمجھا ان پر عذاب نازل ہو گیا ہے۔ ایک گھنٹے تک یہ کیفیت رہی پھر غبار چھٹ گیا۔ ملائکہ نے شور بلند کیا۔ اے ہمارے پالنے والے۔ یہ تیرا مخلص بندہ ہے اور تیرے برگزیدہ بندوں کا بیٹا ہے اور تیرے نبی کی بیٹی کا بیٹا ہے۔ جواب ملا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے قائم کے سائے کو مقرر کیا ہے۔ اور ان کے ذریعے حسین کے خون کا انتقام لیا جائے گا۔ عرش و کرسی و ارض و سما لرز اٹھے۔ جن فریاد و بکا کرنے لگے۔ آسمان سے خون برسنے لگا۔ یہ تین دن تک گھنا یا رہا۔ اور جس پتھر یا ڈھیلے کو اٹھایا جاتا اس کے نیچے جیتا لہو ملتا حسین کے خون کے اثر سے بصرہ کوفہ اور شام کے در و دیوار سرخ ہو گئے تھے۔ اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت

کے چھ مہینے بعد تک آسمان کے افق کا رنگ خونیں رہا حسینؑ پر آسمان رویا جیسے یحییٰ ابن ذکریا پر رویا تھا۔

امام حسین علیہ السلام نے ۶۱ھ ہجری میں عاشورا کے دن شہادت پائی۔ آپ کے سر کے ساتھ دوسرے شہدا کے سر بھی کاٹ لئے گئے۔ اشقیا نے ان کے سروں کو نمایاں کرتے ہوئے کوفے سے شام لے گئے۔ ان اشقیاء کے ساتھ حسین کے اہل حرم حسین کی بیٹیاں ننگے سر بے کجاوہ اونٹوں پر لے جائی گئیں۔ ان کے ساتھ زین العابدین علیہ السلام بھی تھے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ پیغمبر علیہ السلام رو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ اے رسول اللہ کیا بات ہوئی ہے جو آپ گریہ فرما رہے ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔ میرا بیٹا حسین قتل ہو گیا۔ جب میں صبح کو اٹھی تو میرے پاس اما حسین علیہ السلام کے شہادت کی خبر پہونچی۔

جب شہادت امام مظلوم کی خبر ام سلمہ کو پہونچی تو انھوں نے مسجد نبوی میں ایک سیاہ خیمہ لگایا اور سیاہ لباس پہنے۔

کوفے کے ایک راج مسلم کا بیان ہے مجھے ابن زیاد نے کوفے کے دارالامارت کی مرمت کرنے کے لئے بلایا۔ جب میں دروازوں میں پلستر لگا رہا تھا تو اچانک کوفہ کے ایک سمت سے شور بلند ہوتے ہوئے سنا۔ میں اپنے ملازم کی طرف جو میری معاونت کر رہا تھا متوجہ ہوا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کوفہ شور و غل سے کیوں گونج رہا ہے۔ اس نے کہا "لوگ ابھی ابھی ایک خارجی کا سر لائے ہیں جس نے یزید پر خروج کیا تھا۔ میں نے پوچھا وہ خارجی کون ہے۔ خادم نے کہا۔ اس کا نام حسینؑ ابن علی ہے۔ میں خادم کو چھوڑ کر وہاں سے نکلا۔ اپنے منہ پر طمانچے مار لئے اور ڈرا کہیں میری آنکھیں نہ پھوٹ جائیں اپنا ہاتھ دھویا اور دارالامارت کے پیچھے سے نکلا اور وہاں آیا جہاں کوفے کا کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ کچھ اسیروں اور ان سروں کے پہونچنے کا انتظار کر رہے ہیں

(جن کو خارجی کے سر کہا جا رہا ہے)۔ اتنے میں چالیس اونٹوں پر اتنے ہی لکڑی کے ٹکڑے نظر آئے۔ ان پر اہل حرم اور عورتیں اور اولاد فاطمہ بیٹھے تھے اور علی ابن حسینؑ کی رگ گردن سے خون بہہ رہا تھا۔ آپ یہ اشعار پڑھتے اور روتے جاتے تھے۔ یا امۃ السوء لا سقیا لربعکم یا امۃ لم تراعی جدنا فینا

لو اننا و رسول اللہ یجمعنا یوم القیمۃ ما کنتم تقولونا

تسیرونا علی الاقتاب عاریۃ کاننا لم نشید فیکم دینا

اے بدخصال امت خدا تمہاری ہٹی کو سیراب نہ کرے۔ اے وہ امت جس نے ہمارے احترام کو ہمارے نانا کے خیال سے بھی ملحوظ نہ رکھا۔ جب ہم سب کو قیامت کے دن رسول خدا اکٹھا کریں گے تو تم ان سے کیا کہو گے تم نے ہم کو ننگے اونٹوں پر پھرایا ہے جیسے ہم (اس بات کے قصور وار ہوں کہ ہم) نے تم لوگوں میں دین اسلام کی اشاعت نہیں کی۔

مسلم کہتا ہے کہ اہل کوفہ ان بچوں کو اخروٹ خرمے اور روٹی وغیرہ دینے لگے جو اونٹوں پر سوار تھے۔ لوگوں کو پکار کر ام کلثوم نے کہا اے لوگو ہم اہلبیت رسول ہیں۔ صدقہ ہم پر حرام ہے اور وہ خرمے وغیرہ بچوں کے ہاتھوں سے چھین کر زمین پر پھینک دیئے۔ مسلم کہتا ہے کہ لوگ ان کی مصیبت پر روتے تھے۔ پھر ام کلثوم نے اپنا سر محمل سے نکالا۔ اور کہا ان سے اے

اہل کوفہ تمھارے مرد و زن نے ہمیں غم پر غم دیئے ہیں اور اب تمھاری عورتیں ہم ہم پر روتی ہیں۔ ہمارا تمھارا فیصلہ کرے گا قیامت کے دن اللہ! حضرت ام کلثوم عورتوں سے خطاب کر رہی تھیں کہ ایک شور بلند ہوا اشقیا کچھ سر لے کر آئے۔ آگے آگے حسینؑ علیہ السلام کا سر تھا اور وہ سر منور ہو رہا تھا وہ سر رسولخدا کے سر مبارک سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا۔ اور اس کی ڈاڑھی خضاب آلودہ ڈاڑھی کی طرح سیاہ تھی۔ اور ان کا چہرہ چاند کے ہالے کی طرح منور تھا۔ نیزے کی نوک پر یہ کٹے ہوئے سر ہوا کے زور سے گھوم رہے تھے۔ حضرت زینبؑ ان کی طرف متوجہ ہوئیں اور انھوں نے اپنے بھائی کے سر کیطرف دیکھا۔ انھوں نے اپنی پیشانی کو چوب محمل سے ٹکرا دیا۔ میں نے دیکھا کہ ان کا مقنع خون سے تر ہو رہا ہے انھوں نے ایک پھٹے پرانے رومال سے حسینؑ کے سر کی طرف اشارہ کیا اور یہ شعر پڑھنے لگیں۔

یا ھلالاً لما استتم کمالاً غالہ خسفہ فابدی غروبا

ما توھمت یا شقیق فوادی کان ھذا مقدراً مکتوبا

یا اخی فاطم الصغیرہ کلمہ ھا فقد کاد قلبھا ان یذوبا

یا اخی لو تری علیا لدی الاسر مع الیتم لا یطیق وجوبا

کلما اوجوه بالضرب ناداك　　بذل یفیض دمعا سکوبا
یا اخی ضمه الیك وقربه　　وسکن فواده المرعوبا

اے چاند جب تو پورا ہو گیا تو اچانک تاریکی چھا گئی اور تو اسمیں ڈوب گیا۔ اے میرے دل کے ٹکڑے مجھے گمان بھی نہ تھا کہ یہ سب کاتب تقدیر نے پہلے سے طے کر کے لکھ دیا ہے۔ اے میرے بھائی! فاطمہ صغرا سے بات تو کرو کیونکہ غم کی شدت سے اس بات کا ڈر ہے کہ اس کا کلیجہ پانی ہو جائے اے میرے بھائی علی زین العابدین کو قیدی بنتے دیکھتے اس عالم میں کہ وہ فرائض ادا کرنے سے بھی معذور تھے جب دشمن اس مظلوم کو کوڑے مارتے ہیں ذلت کے ساتھ تکلیف دیتے ہیں تو وہ روتے ہیں اور دلمیں پکارتے ہیں اے بھائی ان کو اپنی امان میں لے لو۔ ان کو قریب کر لو اور ان کے سہمے ہوئے دل کی ڈھارس بندھا دو۔

سیدنا ادریس اعلے اللہ قدسہ فرماتے ہیں کہ جب امام حسینؑ علیہ السلام کا سر ابن زیاد کے پاس پہونچا تو وہ ملعون سامنے کے دندان مبارک کو اس لکڑی سے چھیڑنے لگا جو اس کے ہاتھوں میں تھی۔ اور وہ کہتا جاتا تھا کہ ابو عبد اللہ کے

دانت کتنے خوبصورت ہیں۔ وہ زید ابن ارقم کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھائے ہوئے تھا۔ زید نے ابن زیاد سے کہا کہ اپنی لکڑی کو ہٹالے تو یہ چھڑی وہاں رکھ رکھو رہا ہے جہاں میں نے دیکھا ہے کہ رسول خوشبو سے ثبت کیا کرتے تھے۔ زید ابن ارقم سے کہا تو تو سٹھیا گیا ہے۔ زید ابن ارقم تخت سے نیچے اترے اور زمین پر بیٹھ گئے اور کہا "میں اس بات کا گواہ ہوں کہ رسول اللہ کو میں نے دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں اور رسالتماب کا ہاتھ حضرت امام حسین کے سر پر ہے اور حسینؑ ان کی بائیں ران پر بیٹھے ہوئے ہیں اور رسول اللہ کا بایاں ہاتھ ان کے سر پر ہے اور رسالتمآب فرماتے تھے اے اللہ! میں ان دونوں کو تیرے حوالے کرتا ہوں اور نیکوکار ایمان لانے والوں کے سپرد کرتا ہوں اگر تو مومن ہے تو یہ بتا کہ رسول اللہ نے جو چیز امانتاً تیرے حوالے کی ہو اس کی حفاظت کیونکر کرتا (کیا اسی طرح جیسے تو حسینؑ کے ساتھ پیش آرہا ہے)

اسی طرح جب امام حسین کی شہادت ہوئی ہے اس وقت بھی زید ابن ارقم مسجد کوفہ کی ڈیوڑھی پر کھڑے ہو کر کہنے لگے تھے۔ کیا یہ کارگزاری تمھاری ہے۔ سنو! میں نے رسول اللہ کو حسنؑ اور حسینؑ کے متعلق یہ کہتے سنا ہے کہ بار الٰہ میں ان دونوں کو تیرے حوالے کرتا ہوں اور تیرے

نیک مومنین کو سونپتا ہوں۔

ہشام بن محمد نے عبداللہ عمیر سے روایت کی ہے کہ قیصر روم کا سفیر یزید ابن معاویہ کے دربار میں اس وقت موجود تھا جب امام حسینؑ بن علیؑ کا سر دربار میں لایا گیا ہے۔ اس نے یزید سے پوچھا یہ کس کا سر ہے۔ یزید نے کہا حسینؑ کا! اس نے پھر پوچھا کہ کون حسین اس نے کہا فاطمہ کا بیٹا۔ پھر اس نے پوچھا فاطمہ کون۔ یزید نے کہا محمد کی بیٹی۔ سفیر نے کہا یہ تو تمھارے نبی تھے۔ یزید نے کہا ہاں پھر اس نے پوچھا اس کا باپ کون ہے یزید نے کہا "علی ابن ابی طالب۔ اس نے کہا یہ تو تمھارے نبی کے چچیرے بھائی ہیں سفیر نے کہا "تف ہے تم پر اور تمھارے دین پر۔ مسیح کے حق کی قسم تمھارا کوئی مذہب نہیں ہے کسی جزیرے میں ہمارا ایک گرجا تھا جسمیں ایک ایسے گدھے کا گھر موجود تھا جس پر مسیح سواری کرتے تھے۔ ہم ہر سال دور دور سے اس کی زیارت کرنے جاتے ہیں اور منت مانگتے ہیں اور جیسے تم کعبہ کی تعظیم کرتے ہو اسیطرح ہم اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم لوگ باطل پر ہو اتنا کہکر وہ یزید کے پاس اٹھ کر چلا گیا اور واپس نہیں آیا۔

اللہ نے دینا میں قاتلان حسینؑ کو بہت جلد سزا دی اور آخرت کا عذاب تو اس سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے

نبی محمدؐ پر وحی کی کہ میں نے یحییٰ بن زکریا کے خون کے عوض میں ستر ہزار کفار کو ہلاک کیا اور حسینؑ کے خون کے عوض میں اسکی دونی تعداد میں دشمنان آل محمدؐ کو ہلاک کروں گا

ختم شد

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۱	بن	الذین
۷	۸	کابرہ	مکابرہ
۹	۳	اعزالمجالس	اغرالمجالس
۱۰	۱۶	یمانی	×
۱۲	۲	فانظر	فانظروا
۱۴	۲	بادن	ستادن
۲۲	۴	رحمۃ اللعالمین	رحمۃ للعالمین
۲۹	۱۷	ابوعلم	ابومسلم
۳۴	۵	کل عاینہ	کل غایۃ
۳۴	۹	ووجھک	ووھبت
۶۴	۱	اعزالمجالس	اغرالمجالس
۶۵	۱۲	الخبیر	خبیر
۷۲	۵	وانّ	وانْ
۹۲	۱۱	فی رقبتہ	فی رتبتہ
۹۵	۵	متیم	یتیم
۹۵	۱۰	جینتیہ	حینئتہ
۹۶	۱	توفع	ترفع
۹۶	۸	ولامتعنی	ولاتمتحنی

دل و جان من فدایت کہ ہنوز امیدوارم
زکجا زبان آرم کہ سپاس تو گذارم

جس وقت مجھ سے یہ فرمائش کی گئی کہ میں سیدنا و مولانا ابی محمد طاہر سیف الدین اجل اللہ سلطانہ' کے ان نگارشات کو جو ذکر سیدنا امام حسینؑ پر مبنی ہیں اور بزبان فصیح و بلیغ عربی ہیں ان کا اردو میں ترجمہ کر کے عوام کی بصیرت کے لئے پیش کروں تو مجھے اپنی کوتاہیوں کا ایک سے زیادہ مرتبہ احساس ہوا۔ مگر ایک طرف باب العلوم بنوی علیہما السلام اور دوسری طرف خود مرشدنا کے فیوض و برکات نے مشکلکشائی اور حوصلہ افزائی کی اور میں نے یہ منزل اپنی استعداد اور اپنے استاد محترم حضرت احمد علے رسائی کی امداد سے طے کرلی۔ آج جب یہ ترجمہ میرے سامنے مکمل طور پر موجود ہے نہیں سمجھ میں آتا کہ کس کا شکریہ ادا کروں حضرت اقدس مقدس کا جنھوں نے ترجمہ کی اجازت فرمائی۔ حضرت شیخ یمانی کا جو اس نگاہ کرم کو میری طرف رجوع کرنے کے لئے واسطہ بنے؟ حضرت شیخ رجب علے ناظم نشر و اشاعت کتب دعوت کا جنھوں کتاب کے ماخوذات کی اشاعت وغیرہ کی اجازت عطا کی یا سب سے بڑھکر اپنے شاہزادے بلکہ مرشد زادے حضرت پرنس یوسف نجم الدین کا جنھوں نے اغرالمجالس کے بعض حصص اور مکمل مقتل کے ترجمے اور اشاعت کا مجھکو مجاز فرمایا۔ پھر یہ بھی خیال آتا ہے کہ صرف ایک لفظ شکریہ تو ان تمام دلی جذبات کو محیط نہیں کرسکتا جو امتنان سے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہ جذبات تشکر تو صرف احساس اور اس سکوت سے ادا ہوتے ہیں جو

لفظوں سے زیادہ مطلب آفریں ہے مگر رسم دنیا کا تقاضا ہے کہ لفظوں میں بات کہی جائے لہٰذا باوجودیکہ یہ ناکافی ہے میں اپنے تمام مذکورہ بالا محترمین و معلمین کینیڈا میں صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک بات اس ترجمہ کے متعلق اور ترتیب کتاب کے بارے میں بھی کہنا چاہتا ہوں۔ ترجمہ کے متعلق تو یہ عرض ہے کہ میں نے اردو کی با محاورہ اور ایسی زبان میں جسے لوگ بآسانی سمجھ لیں حضرت اقدس و مقدس کے مافی الضمیر کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے لہٰذا یہ ترجمہ کوئی لفظاً بہ لفظ ترجمہ نہیں ہے دوسرے تشریح مطالب یا سیاق سباق کا ربط رکھنے کے لئے بعض عبارتیں لکھی گئی ہیں جو عموماً قوسین میں دی گئی ہیں یہ عبارتیں میری تحریر کردہ ہیں ترتیب کتاب میں حضرت اقدس و مقدس کے مخصوص انداز تالیف کتب کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ یعنی پہلے حمد۔ پھر نعت۔ پھر منقبت۔ پھر قصیدہ پھر دعا۔ اس کے بعد تعارف پھر نفس مضمون کے بارے میں خطبات جناب امیر علیہ السلام کا انتخاب پھر وہ بیان جو کتاب کا نفس مضمون ہے اور جس کی تائید کیلئے اقوال ائمہ و عاحق و علماء پیش کئے جاتے ہیں۔ آخر میں پھر دعا و حمد۔ اس باسلیقہ تدوین کی کامیابی کا سہرا میرے دوست محمود میر درش کے سر ہے جنھوں نے اس کتاب کے معاملہ میں محنت شاقہ اٹھائی ہے اور ہر گام پر میرا بازو تھاما۔ اس پر ایک بسیط مقدمہ لکھا جس سے اگرچہ مجھے بالکلیہ اتفاق نہیں تاہم ان کی سعی مشکور ہے۔ مگر چونکہ ان کا شکریہ ادا کرنا ایسا ہی ہے جیسے خود اپنے

فاتحہ کی مٹھائی کھالی جائے۔ اس لئے ایسا نہیں کہ تاہاں موصوف کے بھائی اور اس کتاب کے ناشر جناب سید سبط حسن رضوی کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جن کے خلوص نیت کی دین اس کتاب کی اشاعت ہے۔ انھیں نہ اس سے نفع اندوزی مقصود ہے نام آوری صرف خدمت اسلام کا جذبہ ہے۔ میں ان کا ممنون ہوں کہ اس ترجمہ کیلئے مجھے انتخاب کر کے انھوں نے میری ایک دیرینہ آرزو پوری کر دی۔ اللہ انھیں توفیق دے کہ وہ اسی طرح دوسرے جید علما کی تصانیف کو بھی جواب نایاب ہیں اور ہم تک نہیں پہونچ رہی ہیں اسیطرح شائع کریں

یونس شکیب الاعظمی

اختتامیہ

کتاب آپ نے پڑھ لی اور تقدس مآب ڈاکٹر سیدنا طاہر سیف الدین صاحب قبلہ کے بیانات سے بصیرت حاصل کی اب اسپر کوئی اضافہ یا تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے صرف دو باتیں صاف کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک تو اپنے مقدمے کی بابت دوسرے خاص کتاب کے بارے میں۔

مقدمے کے بارے میں میری گزارش یہ ہے کہ میں نے اسمیں جمعیت شیعیان علیؑ کی پریشانی اور اس کے تاریخی اسباب پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کا دامن تنگ تھا۔ بیان بسیط ایجاز و اختصار نے کہیں کہیں مفہوم کو مشکل کر دیا ہے جو انشاء اللہ آیندہ ایڈیشن میں سہل

کر دیا جائے گا۔ اس مقدمے میں جو صاحب کسی فرقے کے حق اور کسی کے باطل ہونیکی دلیل ڈھونڈھنا چاہیں تو یہ انکی غلطی اور وہم ہوگا یہاں میرا کام حق و باطل کا فیصلہ کرنا نہیں تھا بلکہ صرف فرقۂ اسمٰعیلیہ اور اس کی مختلف شاخوں کی نشو و نما کا ایک تاریخی اور سرسری تذکرہ تھا اور یہ دکھانا تھا کہ ان فرق کو شہادت کربلا کے اثرات مابعد سے کتنا واسطہ ہے۔ ہاں اسکا احساس مجھے اب ہو رہا ہے کہ دوران بیان میں نے ائمہ کرام کے اسمائے گرامی کے قبل احترام آشکار الفاظ اور بعد میں صلوٰۃ و سلام کے کلمات نہیں لکھے۔ یہ کسی کے ساتھ بالخصوص اور دانستہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ عجلت نگاری کا شاخسانہ ہے۔ حاشا کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ میں ان بزرگوں سے عقیدت و محبت نہیں رکھتا۔ میں ہر بنی فاطمہ کا غلام ہوں چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

کتاب کے بارے میں گذارش یہ ہے کہ اسمیں بعض روایات آپ کو ایسی ملی ہونگی جو آپ نے کتب عامہ یا اثنا عشریہ میں نہیں دیکھی ہونگی مثلاً حضرت بریر کے باپ کا نام حضرت سکینہ کا عقد حضرت عبد اللہ ابن حسن سے یا حضرت عباس کا عاشور کے دن اپنے سب بھائیوں کو ساتھ لیجانا پانی کیلئے اور سب کا شہید ہو جانا حضرت عباس کی لاش کا گنج شہداء میں لانا ان کے متعلق عرض ہے کہ یہ مخصوص روایات ہیں جو سیدنا تک غالباً سینہ بسینہ آئی ہیں اور فرقۂ بوہرہ سے مخصوص ہیں اس نقطۂ نگاہ کو پیش نظر رکھکر ان پر جرح و تعدیل نہ کرنا ہی انسب ہے پھر بعض روایات صریحہ کا مذکور نہ ہونا اس بنا پر ہے کہ یا تو دوران تحریر میں حضرت سیدنا کے پیش نظر وہ روایات نہ رہی ہونگی یا پھر وہ روایات آپ کے نزدیک مسلسل اور صحیح نہونگی۔ ان کے نہ ہونے سے اس کتاب کو ناقص سمجھنا چاہیے۔ ہاں اگر تدوین و ترتیب میں نقص ہے تو یہ میرا قصور ہے جسکے لئے میں معافی خواہ ہوں۔ سیدنا سے اسکا کوئی واسطہ نہیں۔ فقط۔

محمود سروش